اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۴ | جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ | جنوری ۲۰۲۳ء | شمارہ ۱

الجلاء للابتلاء

مصیبتوں کا آنا اور ان سے بچنے کا طریقہ (قسط اول)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے | زرسالانہ =/۶۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ربی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

الجلاء للابتلاء

(مصیبتوں کا آنا اور ان سے بچنے کا طریقہ) قسط اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ بروز جمعۃ المبارک جامع مسجد تھانہ بھون میں دو گھنٹے تک ارشاد فرمایا سامعین کی تعداد تقریباً ایک سو تھی۔ عنوان تھا الجلاء للابتلاء جس میں یہ مضمون بیان کیا کہ گناہوں کی کثرت کی بنا پر مصائب آتے ہیں جن کا علاج توبہ استغفار ہے اور توبہ کا طریقہ بھی بتایا کہ مختلف گناہوں سے توبہ کا طریقہ مختلف ہے کہ فوت شدہ نمازوں کو قضاء کریں زکوٰۃ نہ دی ہو تو سابقہ سالوں کی زکوٰۃ دیں جن لوگوں کے حقوق تلف کئے ان کو ادا کریں یا ان سے معاف کرائیں آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کریں۔ ان اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا کہ نیک لوگوں پر مصائب کیوں آتے ہیں اور کفار پر کم کیوں آتے ہیں۔ جس زمانے میں وعظ کہا گیا اس وقت موسمی بخار پھیلا ہوا تھا حضرت کی بھتیجی کا بھی انتقال ہوا تھا جس کا حضرت کو بہت صدمہ تھا۔ ۱۳۳۸ھ میں جب یہ وعظ صاف کر کے طباعت کے لیے تیار ہوا اس وقت بھی مسلمانوں کو عام مصائب کا سامنا تھا اور آج کل پاکستان میں بھی مسلمان مصائب میں گرفتار ہیں اس لیے اس وعظ کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا عوام وخواص کو مفید ہوگا۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

نوٹ: یہ کافی طویل وعظ ہے اس لیے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

۱۱۔ ربیع الاول ۱۴۴۴ھ

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	پڑھنے اور گننے میں فرق	۸
۳	امام اعظم پر اعتراض کا جواب	۸
۴	فہم احناف	۹
۵	نزول مصائب	۱۱
۶	علوم صحابہ رضی اللہ عنہم	۱۲
۷	نسبت کمال	۱۲
۸	ایک احمق کی حکایت	۱۳
۹	مقام صحابہ رضی اللہ عنہم	۱۴
۱۰	صحابہ رضی اللہ عنہم کا رتبہ	۱۵
۱۱	فضیلت حضرت معاویہؓ	۱۷
۱۲	افضل واعلم کا فرق	۱۷
۱۳	قانون سازی	۱۹
۱۴	اجراء قانون	۲۰
۱۵	اجتہاد فی الاصول	۲۰
۱۶	اجتہاد فی الفروع	۲۳
۱۷	تمہید عذر	۲۴
۱۸	عذر گناہ	۲۵
۱۹	گرفت بر گناہ	۲۶
۲۰	تکرار گناہ	۲۷

۲۱.....	بیویوں سے برتاؤ.....	۲۸
۲۲.....	حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ کا حال.....	۲۹
۲۳.....	برکت تعلق.....	۳۰
۲۴.....	کفن چور کا قصہ.....	۳۱
۲۵.....	مہلت توبہ.....	۳۱
۲۶.....	پاکئ داماں.....	۳۲
۲۷.....	معصیت طاعت.....	۳۳
۲۸.....	امام غزالیؒ کی حکایت.....	۳۴
۲۹.....	رفع اشکال.....	۳۶
۳۰.....	حضرت عمرؓ کے خشوع کی حقیقت.....	۳۷
۳۱.....	قابل مواخذہ اطاعت.....	۳۸
۳۲.....	خشوع کی اہمیت.....	۳۸
۳۳.....	بے سلیقہ حاضری.....	۳۹
۳۴.....	صدق طلب.....	۴۰
۳۵.....	اہتمام توبہ.....	۴۱
۳۶.....	حق استقامت.....	۴۱
۳۷.....	ایک بزرگ کا حال.....	۴۳
۳۸.....	عشاق کا مذاق.....	۴۴
۳۹.....	انکشاف عبدیت.....	۴۵
۴۰.....	صالحین پر مصائب.....	۴۶
۴۲.....	دفع مصائب.....	۴۷
۴۲.....	اخبار الجامعہ.....	۴۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ و نشھد انّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارك وسلم **اما بعد!**

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِيكُمۡ وَيَعۡفُواْ عَن كَثِيرٍ (۱)

تمہید

اس وقت مجھ کو تین مضمونوں کا بیان کرنا مقصود ہے چونکہ ان تینوں کو جمع کرنے والی کوئی حدیث یا آیت اس وقت میرے ذہن میں نہیں اس لیے کوئی آیت وغیرہ نہیں پڑھی۔ ان میں سے ایک مضمون تو یہ ہے کہ جس قدر مصیبتیں ہمارے اوپر آتی ہیں وہ اکثر ہمارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں مصرح ہے (۲) وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِيكُمۡ (۳) اس لیے ہم کو ایسے وقت میں توبہ و استغفار سے کام لینا چاہیے اور اپنے اعمال کی اصلاح کا خیال کرنا چاہیے اور یہ مضمون گو آپ حضرات بارہا سن چکے ہیں مگر سننا اور چیز ہے اور گننا (۴) اور چیز ہے۔ سو یہ بات کانوں میں اگرچہ پڑ چکی ہے مگر اب تک گنا نہیں۔

---

(۱) ''تم (اے گناہ گارو) جو کچھ مصیبت حقیقتاً پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھ کے لیے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور (اللہ تعالیٰ) بہت سے (گناہوں سے) تو درگزر ہی کر دیتا ہے'' الشوریٰ: ۳۰ (۲) اس کی صراحت ہے (۳) ''جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے'' (الشوری: ۳۰) (۴) سنکر سمجھنا۔

پڑھنے اور گننے میں فرق

اور اس گننے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانا توی رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے وہ یہ کہ ایک عالم ہدایہ(۱) کے حافظ تھے، ایک دوسرے عالم ہدایہ کے تو حافظ نہ تھے مگر اس کو سمجھے ہوئے زیادہ تھے۔ ایک مسئلہ انہوں نے بیان کیا اور یہ کہا کہ یہ مسئلہ ہدایہ میں ہے۔ وہ حافظ ہدایہ بولے کہ ہدایہ میں یہ مسئلہ نہیں ہے ان کو اپنے حفظ پر ناز تھا مگر دوسرے عالم نے ہدایہ کھول کر دکھلا دیا کہ فلاں جگہ سے یہ مسئلہ نکلتا ہے، وہ مقام ان حافظ ہدایہ کو بھی یاد تھا مگر وہ یہ نہ سمجھتے تھے کہ اس مقام سے ایک دوسرا مسئلہ بھی نکلتا ہے جب ان کو مسئلہ سمجھا دیا گیا تو وہ حافظ ہدایہ یہ دیکھ کر رو پڑے۔ اس حکایت کے بعد مولانا نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک تو ہدایہ کو صرف پڑھے ہوئے تھے اور ایک ہدایہ کو گُنے ہوئے تھے۔ سو دیکھ لو! پڑھنے میں اور گُننے میں کتنا بڑا فرق ہے۔

امام اعظم پر اعتراض کا جواب

اور یہی فرق ہے درمیان علماء حنفیہ کے اور دیگر علماء کے خصوصاً شافعیہ وحنبلیہ کے۔ شافعیہ اگرچہ کثیر الروایت ہیں(۲) اور حنبلیہ تو اس صفت میں شافعیہ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں مگر فہم حنفیہ کو خدا نے ایسی دی ہے کہ دوسرے علماء ان کی برابری نہیں کر سکتے۔ یہ بات میں سے بات ایسی نکال لیتے ہیں کہ حیرت ہوجاتی ہے گو ان کی نسبت سے قلیل الروایت(۳) ضرور ہیں اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور یہ کمی ان میں ضرور رہ گئی مگر معانی کی خدمت ولذت میں وہ الفاظ حدیث کی زیادہ خدمت کرنے میں دوسروں سے پیچھے رہ گئے اور یہ بات میں کوئی اعتقاداً نہیں کہتا بلکہ مخالفین بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں مگر من حیث لا یدرون چنانچہ ابن خلکان کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی نسبت لکھا ہے کہ امام صاحب کو کل سترہ حدیثیں پہنچی ہیں یہ

(۱) فقہ کی ایک کتاب کا نام ہے (۲) شوافع سے روایات زیادہ منقول ہیں (۳) حنفیہ سے اگرچہ روایات کم منقول ہیں۔

قول اگرچہ کسی درجہ میں بھی صحیح ماننے کے قابل نہیں کیونکہ امام صاحب کے واسطہ سے جس قدر روایات موطا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآثار محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ میں اس وقت موجود ہیں اگر ان کو ہی جمع کرلیا جائے تو وہ اس سے بدرجہا زیادہ نکلیں گی اور یہ ظاہر ہے کہ ان حضرات نے مسندات ابوحنیفہؒ کے احاطہ کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ تبعاً وضمناً امام صاحب کی روایات کو بھی دیگر شیوخ کی روایات کے ساتھ ذکر کردیا تو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام صاحب کی روایات کس قدر ہوں گی، سترہ کا غلط ہونا تو بالکل بدیہی ہے مگر میں اپنے دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم ابن خلکان کے اس قول کی تردید کیوں کرتے ہو اس سے تو ہمارے امام کی منقبت نکلتی ہے۔ منقصت (۱) نہیں نکلتی کیونکہ امام صاحب کا مجتہد ہونا تو سب کو مسلم ہے (۲) اس کا تو کسی کو انکار نہیں اور انکار کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ ہر باب میں امام صاحب کے اقوال موجود ہیں اور ہر مسئلہ میں وہ دخل دیتے ہیں اور مخالفین بھی اکثر مسائل میں امام صاحب کے اختلاف کا ذکر کرتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ مخالفین گو امام صاحب کو محدث (۳) نہ تسلیم کریں مگر مجتہد ضرور مانتے ہیں۔

فہم احناف

علاوہ ازیں صراحت کے ساتھ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آئمہ ومحدثین نے ابوحنیفہ کے فقیہ ومجتہد ہونے کا اقرار کیا ہے اور نہ صرف مجتہد ہونا بلکہ تمام فقہاء کا فقہ میں عیال (۴) ابوحنیفہ ہونا تسلیم کیا ہے تو ایک مقدمہ تو یہ لے لیا جائے اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ یہ ملالیا جائے کہ امام صاحب کو حدیثیں کل سترہ ہی پہنچی تھیں۔ اب دونوں مقدموں کو ملا کر دیکھو! کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے، وہ نتیجہ یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فہم بہت ہی عالی تھی کہ صرف سترہ حدیثوں سے اس قدر مسائل استنباط کیے کہ دوسرے آئمہ باوجود لاکھوں احادیث کے حافظ ہونے کے بھی ان کے برابر مسائل مستنبط نہ کرسکے اس سے زیادہ فہم کی کیا دلیل ہوگی؟ معلوم ہوا کہ بہت ہی بڑے مجتہد تھے تو

(۱) بڑا رتبہ ہونا معلوم ہوتا ہے کم مرتبہ ہونا نہیں نکلتا (۲) امام صاحب کو سب مجتہد تسلیم کرتے ہیں (۳) حدیث بیان کرنے والا (۴) امام ابوحنیفہ کے تابع ہونا مثل اولاد تسلیم کیا ہے۔

ہمارے احباب حنفیہ ابن خلکان کے اس قول سے فضول چیں بچیں ہوتے ہیں اس پر دہ میں تو وہ امام صاحب کی اتنی بڑی مدح کر گئے جس کی کوئی حد نہیں۔ خواہ مخواہ ہم اس قول کی تردید کے درپے کیوں ہوں ہمیں مان لینا چاہیے کہ اچھا صاحب امام صاحب کو سترہ ہی حدیثیں کل ملی ہیں مگر کس قدر عالی فہم تھے کہ چند حدیثوں سے لاکھوں جزئیہ اور مسائل سمجھ لیے خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا۔ اس قول کے غلط ہونے کا تو خود محدثین کو بھی اقرار ہے مگر اس میں شک نہیں کہ روایت میں حنفیہ کا پلہ دوسرے آئمہ محدثین کے برابر نہیں مگر درایت میں یہ اس درجہ بڑھے ہوئے ہیں کہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ حدیث وقرآن کو پڑھا پڑھایا تو سب نے مگر گُنا حنفیہ ہی نے ہے۔ ایک عالم اہلحدیث کا قصہ ہے کہ وہ مجھ سے اکثر معاملات کے متعلق مسائل پوچھا کرتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ تم اپنے علماء سے یہ مسائل کیوں نہیں پوچھتے، مجھ سے کس لیے پوچھتے ہو تو حالانکہ وہ اپنے مسلک میں بہت ہی پختہ ہیں مگر انصاف کی بات چھپی نہیں رہا کرتی، زبان سے بے ساختہ یہی نکلا کہ ہمارے علماء تو آمین ورفع یدین کے سوا کچھ بھی نہیں سمجھتے یہ مسائل ان کو نہیں آتے آپ ہی سے پوچھ کر تسلی ہوتی ہے۔ غرض معلوم ہو گیا کہ کسی بات کا پڑھنا سننا اور ہے، گُننا اور ہے۔ بس اسی طرح وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِيكُمۡ (۱) کو سنا تو سب نے ہے مگر گنا نہیں یعنی سمجھا نہیں اس لیے اس وقت پھر اس کے بیان کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ آج کل ہر طرف بیماری کا زور ہے اور جا بجا لوگوں میں اس وقت اسی کا چرچا ہے مگر جو اس کی اصل تدبیر ہے اس سے سب غافل ہیں الا ماشاء اللہ (۲)۔ تو اس وقت میں اس مضمون کو مختصر طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں تا کہ اب تک جو نہیں سمجھے تھے وہ اس وقت سمجھ لیں اور یہ مضمون تو ایسا ہے کہ اکثر کانوں میں پڑ بھی چکا ہے مگر دوسرا تیسرا مضمون جو اس کے بعد مجھے بیان کرنا ہے اور وہ اس دعوے کے متعلق شبہات کے جواب ہیں وہ جس طرح آج بیان ہوگا

(۱) ''جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے'' الشوریٰ: ۳۰

(۲) سب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں سوائے چند کے۔

اس طرح شاید کبھی کانوں میں نہ پڑا ہوگا۔

نزول مصائب

سو اول اصل مضمون سنئے۔ حق تعالیٰ صاف فرماتے ہیں کہ جو کچھ مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہے وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِيكُمۡ وَيَعۡفُواْ عَن كَثِيرٖ (۱) معلوم ہوا کہ ہماری ہر خطا پر مواخذہ نہیں فرماتے بلکہ بہت سے گناہوں سے درگزر بھی فرمادیتے ہیں مگر جب ہم بہت ہی گناہوں میں منہمک ہوجاتے ہیں اس وقت مصائب کا نزول ہوتا ہے تاکہ ہم کچھ اپنی حالت پر توجہ کریں اور سنبھل جائیں مگر ہم اتنے غافل ہیں کہ تنبیہ سے بھی متنبہ نہیں ہوتے اور جب مصیبت آتی ہے تو سوچتے ہیں کہ ہم سے ایسا کیا قصور ہوگیا جو یہ بلائیں ہمارے اوپر نازل ہوئیں مگر حق تعالیٰ کے ارشاد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بلائیں ہمارے گناہوں ہی کی بدولت ہیں۔ اس آیت میں تو سب کو خطاب ہے۔ دوسرے مقام پر خاص صحابہ کو ارشاد ہوتا ہے: أَوَلَمَّآ أَصَٰبَتۡكُم مُّصِيبَةٞ قَدۡ أَصَبۡتُم مِّثۡلَيۡهَا قُلۡتُمۡ أَنَّىٰ هَٰذَاۖ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِندِ أَنفُسِكُمۡ (۲) تو ایک آیت میں بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بات معلوم ہوچکی کہ سب مصائب بوجہ گناہوں کے نازل ہوتے ہیں۔ دوسری آیت میں خاص حضرات صحابہ کو ارشاد ہوتا ہے کہ تم کو جو اس وقت مصیبت کے آنے کے وقت یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ یہ کہاں سے آگئی اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارے ہی سبب سے یعنی تمہارے اعمال کے سبب سے آئی جن کا منشاء خود تمہاری ذات ہے اس دوسری آیت کے پڑھنے سے میرا مقصود آپ کا ایک عذر بھی بیان کرنا ہے اور یہ بات نذرانہ لے کر بیان کرنا چاہیے تھی کیونکہ عذر کا اثر تخفیف (۳) جرم ہے سو اس سے آپ کو کتنا بڑا نفع پہنچا جس کی آپ کو خبر بھی نہ تھی۔ سو خبر کرنا نذرانہ کا کام ہے یا نہیں؟

(۱) الشوریٰ: ۳۰ (۲) ''کیا جس وقت تم کو ایسی ایک مصیبت پہنچی کہ جس سے دو چند تم کفار کو پہنچا چکے ہو تو (انجان بن کر) تم یوں کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی، آپ کہہ دیجئے کہ یہ تمہارے ہی پاس سے آئی ہے'' آل عمران: ۱۶۵ (۳) جرم کا ہلکا ہونا۔

مگر لیجئے! میں مفت ہی بتلائے دیتا ہوں۔

علوم صحابہؓ

وہ بات یہ ہے کہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین امت میں سب سے زیادہ اعمق (۱) علماء ہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر صحابی ہر امتی سے باعتبار علم کے اعمق (۲) ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فقہاء صحابہ کا علم تمام فقہاء امت سے عمیق ہے اور عوام صحابہ کا علم، عوام امت کے علم سے عمیق تر ہے ورنہ یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے وہ صحابی بدوی جنہوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آکر پیشاب کر دیا تھا ان کا علم امام ابوحنیفہؒ کے علم سے زیادہ عمیق (۳) تھا۔ ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا علم ان سے بڑھا ہوا تھا ان کے علم کا حال تو اسی واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ ایک نہ دو اکٹھے تین کام فقہ کے خلاف کیے، اول تو پیشاب سب کے سامنے کیا، بدن برہنہ ہوا، پھر پیشاب بھی مسجد میں کیا اگر ان کو امام ابوحنیفہ سے زیادہ اعمق علماء کہا جائے تو اس میں امام ابوحنیفہ کی بھی تنقیص ہوگی اور خود ان کی بھی تنقیص (۴) ہوگی۔

نسبت کمال

شاید آپ تعجب کریں گے کہ ان صحابی کی تنقیص (۵) کس طرح لازم آئے گی۔ سنئے! صحابی کی تنقیص اس وجہ سے ہوگی کہ جس شخص میں جو کمال واقع میں نہیں اس کی طرف اس کمال کو منسوب کرنا اس کے ساتھ مسخراپن کرنا ہے۔ ایک شخص جس میں حسن ظاہری نہیں ہے اگر آپ اس کو یوسف ثانی کہنے لگیں تو یہ مسخرہ پن ہوگا یا نہیں؟ کسی ان پڑھ دیہاتی آدمی کو اگر کوئی مولانا یا مولوی صاحب کہہ کر پکارنے لگے تو یہ اس کا مذاق اڑانا ہے یا نہیں؟ اسی طرح ان کو بھی سمجھ لیجئے کہ ایک اعرابی صحابی کو افقہ الناس (۶) کہنا ان کی شان میں گستاخی کرنا ہے مگر اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ

(۱) سب سے زیادہ گہرا علم رکھتے تھے (۲) گہرا علم (۳) گہرا (۴) امام صاحب کو بھی ناقص ماننا پڑے گا اور ان کو بھی ناقص ماننا پڑے گا (۵) ان صحابی کا ناقص ہونا کیسے لازم آئے گا (۶) لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ۔

امام ابوحنیفہؒ ان صحابی سے افضل ہو گئے، نہیں ہرگز نہیں، امام ابوحنیفہ ان سے افضل کبھی نہیں ہو سکتے اور وہ اس حالت میں بھی امام ابوحنیفہ سے بدرجہا افضل ہیں۔ اگرچہ ابوحنیفہ فقہ میں ان سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں مگر مرتبہ اور فضیلت میں وہ صحابی تمام فقہاء سے بڑھ کر ہیں کیونکہ امام صاحب کا علم اور فقہ ان کے لیے کمال تھا مگر ان صحابی کا کمال فقہ میں نہ تھا ان کا کمال اس سادگی ہی میں تھا، ہر چیز کی ایک ادا ہوتی ہے جو اسی میں پھبتی ہے۔ دوسری جگہ وہ نہیں پھب سکتی، دیکھو زیور عورتوں کے لیے باعث زیب و زینت ہے۔ بھلا اگر کوئی مرد سر سے پیر تک زیور میں لد جائے تو اس میں کہیں وہ شان پیدا ہو سکتی ہے۔

ایک احمق کی حکایت

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک بیوقوف شخص نے کسی ولایتی کو دیکھا کہ وہ گھوڑے کو توبرے (۱) میں دانہ کھلا رہا تھا اور گھوڑا شوخی میں آ کر کبھی اِدھر کو منہ مارتا تھا کبھی اُدھر کو، وہ ولایتی خوش ہو کر اس کو چُمکارتا (۲) جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ بیٹا کھاؤ اور وہ شوخی میں منہ مارتا تھا۔ ان حضرت کو خیال پیدا ہوا کہ یہ شخص اپنے گھوڑے کو بہت ہی چاہتا ہے کہ اس طرح اس کو دانہ کھلا رہا ہے، میری بیوی میری بہت ہی بے قدری کرتی ہے کہ میرے سامنے کھانا رکھ کر چل دیتی ہے تو ہم سے گھوڑا ہی اچھا، اب ہم بھی گھوڑا بنیں گے، چنانچہ گھر پہنچے اور بیوی سے کہا کہ آج ہم گھوڑا بنیں گے ہمارے لیے دانہ توبرے میں لاؤ اور ایک اگاڑی اور ایک پچھاڑی ہمارے باندھو (۳) اور دم کی جگہ ایک جھاڑو باندھو اور ہم کو دانہ کھلاؤ اور جب ہم انکار اور اعراض کریں تو کہنا کھاؤ بیٹا کھاؤ۔ چنانچہ اس غریب نے ان کے سب حکموں کی تعمیل کی شام ہوئی تو وہ خود گھوڑے کی طرح جھک کر کھڑے ہوئے، منہ میں توبرہ، اگاڑی پچھاڑی بندھی ہوئی تھی، کبھی اِدھر کو منہ مار دیا کبھی اُدھر کو منہ مار دیا اور وہ اسی طرح بیٹا کھاؤ! کہتی ہوئی کھلا رہی تھی وہ جو بہت

(۱) گھوڑے کے منہ میں تھیلا باندھ کر چارہ کھلایا جاتا ہے (۲) پیار کرنا منہ سے چُمکارنے کی آواز نکالنا (۳) ہاتھ پیر باندھو۔

اوچھلے کودے اور پیچھے تھا چراغ وہ جھاڑو میں لگ گیا، اب لگے جلنے خود تو اس لیے نہ بجھا سکے کہ ہاتھ پاؤں سب بندھے ہوئے تھے آخر وہ عورت محلّہ کے مردوں کو چلاتی ہوئی پکارنے گئی کہ ارے دوڑیو میرا گھوڑا جلا میرا گھوڑا جلا۔ لوگ سمجھے کہ کمبخت جھوٹ بولتی ہے، کھانے کو پیٹ بھر روٹی ملتی نہیں اس کو گھوڑا کب میسر ہوا تھا، اتنی دیر میں وہ گھوڑا صاحب جل بھن کر سرد(۱) بھی ہوگئے تو اس بیوقوف کو اتنی عقل نہ تھی کہ ہر چیز اپنی جگہ ہی بھلی معلوم ہوا کرتی ہے ہر جگہ نہیں گھوڑے کا تو دانہ کھاتے ہوئے منہ مارنا اچھا معلوم ہوا کرتا ہے ہر شخص کا تھوڑا ہی اچھا معلوم ہوسکتا ہے۔ سچ ہے۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد چوں نداری گرد بدخوئی مگرد
عیب باشد چشم نابیناؤ باز زشت باشد روئے نازیبا وناز(۲)

یہ تو ایک ہنسی کی بات تھی مگر یہ بات ہے بالکل صحیح کہ جس چیز کی جو ادا ہے وہ اسی میں پیاری معلوم ہوتی ہے۔ دوسری چیز میں وہ بات پیدا نہیں ہوسکتی تو اب آپ سمجھئے کہ ہر شخص کے لیے فقیہ ہونے ہی میں کمال نہیں بعضوں کی یہی ادا پیاری ہوتی ہے کہ وہ ان پڑھ ہیں، دیکھئے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم نہ تھے مگر ان میں بدون پڑھے ہی ایک ایسی ادا تھی جس نے ہزاروں پڑھے لکھوں کو ان کے سامنے جھکا دیا تھا۔ خوب فرماتے ہیں عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ۔

شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد بندہ طلعت آں باش کہ آں نے دارد(۳)

مقام صحابہؓ

غرض صحابہؓ کا کمال یہ نہیں تھا کہ وہ امام ابوحنیفہ کی طرح اصول وفروع کی تحقیق کرتے ان کا تو کمال ہی دوسرا تھا ان کے سامنے یہ سارے علوم فنون ہیچ ہیں ان کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے ان آنکھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ) کے جمال جہاں

(۱) جل کر خاک ہوگئے (۲) ''ناز کرنے کے لیے گلاب جیسے چہرے کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے تو بدخوئی کے پاس نہ جاؤ، آنکھ اندھی ہو اور کھلی ہو، یہ عیب ہے چہرہ بدصورت ہو اس پر ناز ہو یہ بری بات ہے'' (۳) ''معشوق وہ نہیں کہ اچھے بال اور پتلی کمر رکھتا ہو، حسین وہ ہے کہ اس میں کچھ آن ہو''

آراء کی زیارت کی تھی۔ یہ وہ کمال ہے کہ اس میں ان کی کوئی برابری نہیں کرسکتا عمر بن عبدالعزیز جو کہ اپنے زمانہ کے مجدد اور قطب وقت تھے اور بوجہ عدل کامل واتباع سنت کے خامس الخلفاء الراشدین شمار کیے جاتے ہیں نہ اویس قرنی جو افضل التابعین ہیں جن کے بارے میں علماء امت کا خیال یہ ہی ہے کہ وہ گو صحابی نہیں مگر ثواب میں صحابہ کے قریب قریب ہیں مگر پھر بھی ان جیسے نہیں کیونکہ حضرت اویس قرنی کے پاس وہ دو آنکھیں کہاں تھیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کی زیارت کی ہو۔ اگرچہ ان کے فضائل بے شمار ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ودیگر صحابہؓ کو ارشاد فرمایا تھا کہ ایک شخص یمن کا رہنے والا اویس قرنی نام آئے گا اگر ان سے ملو تو میرا سلام پہنچا دینا اور ان سے اپنے لیے دعا کروانا اللہ اکبر اتنے بڑے درجے کے شخص ہیں مگر صحابہؓ کے برابر پھر بھی نہیں۔ بس افضل التابعین ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا رتبہ

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے ہیں، حضرت غوث اعظم کو اس سوال سے بہت جوش آیا، فرمایا کہ اگر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار ہوں اور ایڑ مار کر اللہ کے راستے میں اس کو دوڑائیں تو جو خاک معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں رینٹ سے ملی ہوئی ہوگی۔ عمر بن عبدالعزیز اور اویس قرنی جیسے ہزاروں سے وہ خاک بھی افضل ہے۔ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو وہ رتبہ بخشا ہے کہ بڑے سے بڑے ولی بھی حتی کہ امام مہدی علیہ السلام بھی ایک ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہوسکتے اور یہ حق تعالیٰ شانہ کا بہت ہی بڑا فضل واحسان اُمت محمدیہ کے حال پر ہے کہ ہمارے خلف پر صحاب کی فضیلت کو پوری طرح منکشف کردیا کہ سب نے اس پر اجماع واتفاق کرلیا کہ الصحابۃ کلھم عدول وافضل الخلق بعد الانبیاء اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی صحابی سب کے سب معتبر اور ثقہ ہیں۔ ان میں کوئی شخص غیر معتبر نہیں اور

تمام مخلوق میں بعد انبیاء علیہم السلام کے سب سے زیادہ افضل صحابہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مسئلہ کا انکشاف ہمارے حق میں بہت ہی بڑی رحمت ہے اور وہ رحمت یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حق تعالیٰ شانہ کو اس دین کی حفاظت ہی منظور ہے۔ اگر حضرات صحابہ کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد نہ ہوتا بلکہ خدانخواستہ ان کے غیر معتبر ہونے کا یا ان کی نسبت خیانت کرنے کا کچھ بھی شبہ ہوتا تو شریعت کا سارا نظام درہم برہم ہوجاتا۔ قرآن واحادیث کی بابت طرح طرح کے خیالات وشبہات پیدا ہوتے اور کسی طرح دل کو اطمینان نصیب نہ ہوتا اور صحابہ کی نسبت حضرات سلف صالحین کا یہ اجتماع محض حسن اعتقاد ہی کی بناء پر نہیں بلکہ خود ان کے احوال واعمال سے ان کی دیانت اور راست بازی(۱) وپرہیزگاری ایسی کھلی ہوئی نظر آتی ہے کہ موافق تو موافق مخالف تک اس کا اقرار کیے ہوئے ہیں جس پر تاریخ گواہ ہے جس کے بعد اس قول میں کچھ بھی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ الصحابة کلهم عدول(۲)۔ حضرات صحابہ کی اس فضیلت کے انکشاف سے صرف یہی نہیں کہ دین کی حفاظت ہوگئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کی فضیلت کے اقرار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت بڑھ گئی جس قدر صحابہ کے ساتھ اعتقاد بڑھتا ہے اسی قدر حضور کے ساتھ محبت بڑھتی ہے اور جس قدر صحابہ سے کسی کو بے اعتقادی ہوتی ہے اسی قدر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت میں کمی ہوجاتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس مدرسہ کے سارے طلبہ بد استعداد ہوں وہاں مدرسین کی بد استعدادی کا بھی شبہ کیا جاتا ہے سو اگر ہمارے اعتقاد صحابہ کے ساتھ اچھے نہ ہوں گے تو معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت بھی اچھا خیال نہ ہوسکے گا بلکہ یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ بس جی جیسی روح ویسے ہی فرشتے اور یہ حالت ہماری بہت ہی خراب وناگفتہ بہ ہوتی۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جن کو صحابہ کے ساتھ بے اعتقادی وبدگمانی ہے سو ان کی دینی حالت دیکھ لی جائے کہ کس قدر کمزور ہورہی ہے۔

(۱) سچائی (۲) تمام صحابہ عدل وانصاف کا پیکر ہیں۔

فضیلت حضرت معاویہؓ

تو حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سائل کو کیسا دنداں شکن جواب دیا کہ تو معاویہؓ کی بابت سوال کرتا ہے عمر بن عبدالعزیز واویس قرنی کے حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک کی خاک سے بھی تو نسبت نہیں۔ آج کل بھی بعض لوگوں کو اس قسم کے سوالات کا خبط سوار ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک عالم سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ ان دونوں میں سے کون حق پر تھے انہوں نے خوب جواب دیا کہ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ قیامت کے روز یہ مقدمہ تمہارے اجلاس میں نہیں بھیجا جائے گا اور اگر بھیجا گیا تو میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ مقدمہ خارج کر دینا اور کہہ دینا کہ مقدمہ میرے حدود اختیار سے باہر ہے، پھر میں واقعات سے بھی بے بہرہ ہوں اور میں نے علماء سے اس کی تحقیق بھی کرنی چاہی تھی مگر انہوں نے مجھ کو جواب نہیں دیا، تمہاری گردن تو اس جواب سے چھوٹ جائے گی۔ پھر اگر ہم سے سوال ہوا کہ تم نے اسے کیوں نہیں بتلایا تو ہم خود نمٹ لیں گے۔ واقعی اچھا جواب دیا بھلا اپنے حوصلہ سے زیادہ بڑھنا حماقت ہے یا نہیں؟ پہلے ہم اپنے گھر کا تو فیصلہ کرلیں، پیچھے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ومعاویہ رضی اللہ عنہ کے جھگڑے میں پڑیں، دنیا میں اس کی نظیر دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی مقدمہ وائسرائے کی عدالت کے متعلق ہو جس کی بابت یقین ہے کہ تحصیلدار صاحب کی کچہری میں کبھی نہ آئے گا اور تحصل دار اس کے فیصلہ وقوانین معلوم کرنے کے درپے ہو اور نہ معلوم ہونے سے پریشان ہو تو یہ حماقت ہے یا نہیں، ہر شخص یہی کہے گا کہ آپ کو اپنی تحصیل کے قواعد معلوم کرنے چاہئیں ان میں اگر کوتاہی ہوگئی تو آپ سے باز پرس ہوگی، آپ سے یہ سوال کوئی نہ کرے گا کہ تم نے وائسرائے کے اجلاس کے قوانین کیوں نہیں یاد کئے۔

افضل واعلم کا فرق

غرض میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کمال ان علوم وفنون سے نہیں تھا بلکہ ان کا کمال ایک دوسری چیز سے تھا تو فقہ میں امام ابوحنیفہ گو ان

صحابی سے بڑھے ہوئے ہوں جنہوں نے مسجد میں پیشاب کردیا مگر درجہ میں اور مقبولیت عنداللہ میں وہ صحابی ہی بڑھے ہوئے ہیں اور یہ عجیب قصہ ہے کہ بعضی باتوں میں ایک تابعی صحابی سے بڑھا ہوا ہے اور اس سے ان کی تنقیص بھی لازم نہیں آتی، بعضے لوگ یہ بات سن کر گھبرا جاتے ہیں مگر اس سے وحشت کرنا بڑی بے عقلی کی بات ہے۔ دیکھئے اگر بادشاہ کی طرف سے وائسرائے کو حکم ہو کہ تم اپنے ہاتھ سے ہمارے واسطے انڈوں کا حلوا پکاؤ اور ظاہر ہے کہ وائسرائے بہادر کو اس کا کب اتفاق ہوا تھا تو اب وہ اگر انڈوں کے حلوے کی ترکیب کسی باورچی سے پوچھیں اور اس کام میں اس کی شاگردی اختیار کریں تو اس سے کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ باورچی وائسرائے سے افضل ہوگیا ۔نہیں بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ وائسرائے کا کمال انڈوں کا حلوا پکانے سے تھوڑا ہی ہے اس کے کمالات دوسرے ہیں جن کی باورچی کو ہوا بھی نہیں لگی۔ اسی طرح اس کو سمجھ لیجئے کہ امام ابوحنیفہؒ جن صحابی سے فقہ میں بڑھے ہوئے ہیں اگر وہ امام صاحب کے زمانہ میں موجود ہوتے تو ان کے ذمہ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے فتویٰ پر عمل کرنا واجب ہوتا اور امام صاحب کو ان سے یہ کہنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ گو درجہ میں آپ مجھ سے بڑے ہیں مگر چونکہ آپ فقیہ نہیں ہیں اس لیے آپ کو میرے فتویٰ کی مخالفت جائز نہیں اور اگر میرے کہنے کے خلاف کریں گے تو آپ کو گناہ ہوگا۔ امام صاحب کو یہ سب کچھ کہنے کا حق حاصل ہوتا مگر بایں ہمہ فضیلت میں وہ صحابی ہی بڑھے ہوئے رہتے تو کسی بات میں چھوٹوں کا بڑوں سے بڑھ جانا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مرتبہ کے اندر بھی ان سے بڑھ جائیں۔ اس اخیر زمانہ میں جن لوگوں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ اور حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہم کو دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب مسائل میں مولانا سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے تھے اور علوم باطنیہ میں مولانا حاجی صاحب کے محتاج تھے مگر کیا اس سے مولانا حاجی صاحب کے مرید نہیں رہے؟ حاجی صاحب جب بھی شیخ ہی تھے اور مولانا مرید تھے، بعض مسائل میں حاجی صاحب کا عمل مولانا کے فتویٰ کے خلاف تھا جس سے بعض لوگوں کو مولانا پر اعتراض تھا کہ یہ اپنے

پیر کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں مگر مولانا صاف فرمادیا کرتے تھے کہ ان مسائل جزئیہ میں حاجی صاحب کو ہمارے فتویٰ پر عمل کرنا واجب تھا ہم کو ان کی تقلید جائز نہیں تھی، ہم ان مسائل کی وجہ سے حاجی صاحب کے تھوڑا ہی مرید ہوئے ہیں وہ دوسرے کمالات ہیں جن کی وجہ سے ہم نے حاجی صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے۔

قانون سازی

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہ خلافت صدیقی وخلافت عمریہ کہ بعض ظاہر بین لوگ خلافت عمریہ کو بوجہ کثرت فتوحات کے خلافت صدیقیہ سے افضل سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے زمانہ خلافت میں جدید فتوحات کچھ زیادہ نہ ہوئی تھیں بلکہ ان کی خلافت کا زیادہ زمانہ خود مسلمانوں کے سنبھالنے میں صرف ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض قبائل مرتد ہوگئے تھے، کچھ لوگوں نے زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کردیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت اس فتنہ ارتداد کے فرو(۱) کرنے اور مسلمانوں کی حالت سنبھالنے میں صرف ہوا۔ مخالفین کے ملک فتح کرنے کی زیادہ نوبت نہ آئی اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں شاید کوئی دن بھی جدید فتوحات سے خالی نہیں رہا، روزانہ یہی خبریں آتی تھیں کہ آج فلاں شہر فتح ہوگیا اور کل فلاں شہر پر حملہ ہے یہاں تک کہ دس سال کے عرصہ میں حکومت اسلامیہ شرقاً وغرباً پھیل گئی اس لیے بعض کم فہم خلافت عمریہ کو خلافت صدیقیہ سے افضل شمار کرتے ہیں مگر عقلاء خوب جانتے ہیں کہ مکان کی خوبصورتی میں زیادہ کمال اس شخص کا ہے جس نے کہ اول نقشہ تیار کیا تھا اور بنیادیں قائم کی تھیں کیونکہ اس کو بہت دماغ سوزی سے کام کرنا پڑا ہے۔ مکان کا خوبصورت نقشہ بنانا اور بنیاد کا مستحکم کرنا یہ بڑا کام ہے، دیواریں قائم کرنے والے کا اتنا بڑا کمال نہیں کیونکہ وہ تو اینٹ پر اینٹ رکھتا چلا گیا ہے، اس کو کونسی دماغ سوزی کرنی پڑی۔ ظاہر بین لوگ دوسرے معمار کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ مکان کو اسی نے مکمل کیا مگر حقیقت شناس سمجھتا ہے کہ اس مکان کی خوبصورتی میں بڑا کمال نقشہ

(۱) ختم کرنے۔

بنانے والے اور بنیاد قائم کرنے والے کا ہے۔

اجراء قانون

اسی طرح جو اسرار شناس (۱) ہیں وہ جانتے ہیں کہ خلافت صدیقیہ سے خلافت عمریہ کو کوئی بھی نسبت نہیں کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکومت اسلامیہ اور خلافت کی بنیاد قائم کرنے میں جو تعب برداشت (۲) کرنا پڑا ہے اس کا عشر عشیر بھی (۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پیش آیا۔ یہ کام اسی عالی حوصلہ خلیفہ کا تھا کہ ایسے فتنے کے زمانہ میں جبکہ خود اپنی ہی جماعت قبضہ سے باہر ہوا چاہتی تھی تمام فتنوں کا مقابلہ کر کے اور ان کو ایک دم نیست و نابود (۴) کر کے اڑھائی سال کے عرصہ میں خلافت اسلامیہ کے کھونٹے گاڑ دیئے اور نظام حکومت کو ایسے مستحکم اصول پر قائم کر دیا کہ بعد کے خلیفہ کو کوئی پریشانی ہی پیش نہ آسکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں وہ اصول جاری ہو گئے اور وہ نظام صدیقی شائع ہو گیا تو بڑا کمال حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور جس قدر فتوحات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوئی ہیں ان سب کا ثواب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیفہ اعمال (۵) میں داخل ہوگا۔ اہل تمدن وسیاست اس کو خوب سمجھتے ہیں کہ قانون جاری کرنے سے زیادہ مشکل قانون بنانا ہے۔ قانون بنانے والے کو جس مشقت کا سامنا ہوتا ہے جاری کرنے والے کو اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں آتا۔

اجتہاد فی الاصول

اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ یہ جو ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ بعد چار سو برس کے اجتہاد نہیں رہا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چار سو برس کے بعد کسی کو اجتہاد کے قابل دماغ نہیں ملا کیونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ علاوہ ازیں یہ مطلقاً صحیح بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر زمانہ میں ہزاروں ایسی جزئیات نئی نئی پیش آتی ہیں جن کا کوئی حکم آئمہ

(۱) حقیقت کو سمجھنے والے حضرات (۲) مشقت اٹھانی پڑی (۳) دسواں حصہ بھی (۴) صفحہ ہستی سے مٹا کر (۵) نامہ اعمال۔

مجتہدین سے منقول نہیں اور علماء خود اجتہاد کر کے ان کا جواب بتلاتے ہیں پس اگر اجتہاد کا باب بالکل بند ہوگیا ہے اور اب کسی کا دماغ اجتہاد کے قابل نہیں ہوسکتا تو کیا ایسے نئے نئے مسائل کا جواب شریعت سے نہیں ملے گا؟ یا ان مسائل کے جواب کے لیے کوئی نیا نبی آسمان سے اترے گا؟ اگر یہی بات ہے تو خدا خیر کرے کہیں قادیان والے نہ سن لیں۔ کہیں یہ بات ان کے کانوں میں پڑ گئی تو مسیح موعود کی دلائل نبوت کی فہرست میں ایک دلیل کا اضافہ کرلیں گے، پھر اس آیت کے کیا معنی ہوں گے: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی تکمیل ہوچکی سو دروازہ اجتہاد اگر بالکل بند کر دیا جائے تو پھر شریعت کی تکمیل کس طرح مانی جائے گی کیونکہ ظاہر ہے کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ ان کا جواب کتب فقہ میں مذکور نہیں نہ آئمہ مجتہدین سے کہیں منقول۔ پچھلے دنوں میں ایک سوال آیا تھا کہ ہوائی جہاز میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں، اب بتلایئے اگر اجتہاد بعد چار سو برس کے بالکل جائز نہیں تو اس مسئلہ کا شریعت میں کوئی بھی جواب نہیں، پہلے زمانہ میں نہ ہوائی جہاز تھا نہ فقہاء اس کو جانتے تھے نہ کوئی حکم لکھا اب ہم لوگ خود اجتہاد کرتے ہیں اور ایسے نئے مسائل کا جواب دے دیتے ہیں تو فقہاء رحمہم اللہ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ چار سو برس کے بعد اجتہاد کا بالکل بند ہوگیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اجتہاد فی الاصول کا(۲) کا دروازہ بند ہوگیا اور اجتہاد فی الفروع (۳) اب بھی باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا اگر اجتہاد فی الفروع بھی اب نہ ہوسکے تو شریعت کے نامکمل ہونے کا شبہ ہوگا جو کہ بالکل غلط ہے، شریعت میں کسی قسم کی کمی نہیں۔ قیامت تک جس قدر صورتیں پیش آتی رہی گی سب کا جواب علماء ہر زمانہ کے شریعت سے نکالتے رہیں گے کیونکہ یہ جزئیات اگر کتب فقہ میں نہیں تو اصول وقواعد تو سب پہلے مجتہدین بیان کر چکے جن سے قیامت تک کے واقعات کا حکم معلوم ہوسکتا

(۱) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا'' سورۃ المائدہ: ۳ (۲) ایسے اصول بذریعہ اجتہاد مدون کرنا جن سے مسائل معلوم کئے جاسکیں اب کوئی مدون نہیں کرسکتا (۳) اصول موضوعہ کے تحت فروعی مسائل میں اب بھی اجتہاد کیا جاتا ہے۔

ہے۔ البتہ قرآن وحدیث سے اصول مستنبط کرنا یہ اب نہیں ہوسکتا۔ یہ خاص اجتہاد فی الاصول بعد چارسو برس کے ختم ہوگیا کیونکہ اول تو جس قدر اصول وقواعد شریعت کے تھے وہ سب آئمہ مجتہدین بیان کر چکے، انہوں نے کوئی قاعدہ چھوڑ نہیں دیا، دوسرے ان کے بعد اگر کسی نے اصول مستنبط بھی کیے تو وہ مستحکم نہیں کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد فی الاصول کے لیے اب دماغ قابل ہی نہیں رہے۔ یہ حضرات مجتہدین ہی کا خاص حصہ تھا کہ انہوں نے نصوص سے اس خوبی سے اصول مستنبط کیے جو کہیں نہیں ٹوٹ سکتے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ ہدایہ کے اصول مسلم نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہدایہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس میں اصول غلط نقل کر دیئے گئے ہیں بلکہ شاہ صاحب کے مراد یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے بعض اصول خود شریعت سے مستنبط کیے ہیں جن میں وہ ناقل نہیں ہیں سو وہ معتبر نہیں باقی جزئیات (۱) اس کی سب معتبر ہیں تو اب دیکھ لیجیے! کہ صاحب ہدایہ باوجود یکہ بہت ہی بڑے شخص ہیں ان کی علمی شان ہدایہ ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔ واقعی اس کتاب میں بھی انہوں نے کمال کر دیا، ہر مسئلہ کی دو دلیلیں بیان کرتے ہیں ایک عقلی ایک نقلی، کیا ٹھکانا ہے وسعت نظر کا کہ جزئیات تک کو حدیث سے ثابت کرتے ہیں پھر حدیثین گو بلا سند بیان کرتے ہیں مگر تفتیش (۲) کرنے سے کہیں نہ کہیں ضرور ملتی ہیں چاہے مسند بزار میں ہوں یا مسند عبدالرزاق (۳) میں، بیہقی میں ہوں یا مصنف ابن ابی شیبہ میں کہیں ضرور ملیں گی۔ ایک دو اگر نہ ملیں تو ممکن ہے مگر جس شخص کی نظر اتنی وسیع ہو تو ایک دو حدیث جو ہم کو نہ ملی ہو اس سے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی اصل ہی نہیں یہ تو وسعت نظر کا حال ہے فہم کا تو کیا ٹھکانا ہے۔ مخالفین کے دلائل کو بیان کرنا ان کا جواب دینا پھر اپنے مذہب کی دلیل بیان کرنا یہ ان کا خاص حصہ ہے مگر باایں ہمہ (۴) جو اصول کہ وہ خود حدیث وقرآن سے نکالتے ہیں ان کی بابت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ فرمادیا کہ وہ معتبر اور مسلم نہیں ہیں، کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتے ہیں تو آج کل جن

(۱) جو جزئی مسائل ذکر کئے ہیں (۲) تحقیق کرنے سے (۳) کتابوں کے نام ہیں (۴) اس سب کے باوجود۔

لوگوں کی وسعت نظر وفہم کو صاحب ہدایہ سے کچھ بھی مناسبت نہیں وہ کیا حدیث وقرآن سے اصول مستنبط کریں گے؟۔

اجتہاد فی الفروع

ہاں البتہ اجتہاد فی الفروع(۱) اب بھی باقی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ ہم بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مجتہد ہوگئے کیونکہ اصحابِ سیاست خوب جانتے ہیں کہ قانون بنانا قانون جاری کرنے سے بہت زیادہ دشوار ہے ہم لوگ سوائے اس کے کہ ان حضرات کے استنباط کردہ اصول کو حوادث الفتاویٰ(۲) میں جاری کردیں اور کیا کرسکتے ہیں؟ کمال انہیں حضرات کا تھا کہ انہوں نے حدیث وقرآن میں سے غور کرکے ایسے اصول وقواعد سمجھے جو قیامت تک کے جزئیات کے لیے کافی ہیں، کوئی مسئلہ ایسا پیش نہیں آسکتا جس کا حکم جواز وعدم(۳) جواز ان اصول سے نہ نکلتا ہو بلکہ ان حضرات نے صرف اصول وقواعد ہی پر اکتفا نہیں کیا جزئیات بھی اس قدر نکال کر بیان کرگئے کہ بہت ہی کم کوئی مسئلہ ایسا ہوتا ہے جس کو وہ صراحۃً یا دلالۃً(۴) بیان نہ کرگئے ہوں اور اگر کوئی شاذ ونادر ایسا مسئلہ معلوم ہوتا ہے جو فقہاء نے نہیں بیان کیا تو کبھی تو مفتی کی نظر کی کوتاہی ہوتی ہے کہ اس کو سب مواقع پر عبور نہیں ہوتا یا فہم کی کمی ہوتی ہے کہ وہ مسئلہ عبارت سے نکل سکتا ہے مگر مفتی صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا اور اگر بالفرض جزئیہ انہوں نے نہیں بیان کیا تو اصول سے تو وہ ضرور ہی مستنبط ہوتا ہوگا۔ پس آج کل یہ کسی کا منہ نہیں کہ اپنے کو آئمہ مجتہدین کے برابر کہہ سکے جو فرق کہ خلافت صدیقی وخلافت عمری میں ہے وہی فرق آئمہ مجتہدین وفقہاء متاخرین میں سمجھنا چاہیے۔ قانون کا جاری کرنا اور چیز ہے قانون کا بنانا کچھ اور ہی ہے اور ہم لوگوں کو

(۱) فروعی مسائل میں اجتہاد آج بھی ہوتا ہے کہ جو چیزیں پہلے زمانے میں نہیں تھیں آج موجود ہیں ان کے احکام اصول موضوعہ سے مستنبط کرکے لوگوں کو بتائے جاتے ہیں جیسے جہاز میں نماز پڑھنے کا حکم موبائل اور کمپیوٹر وغیرہ کے استعمال کے مسائل (۲) پیش آمدہ مسائل کے متعلق فتویٰ دینا (۳) جائز اور ناجائز ہونے کے بارے میں (۴) جس کو صریح طور پر یا اشارۃ بیان نہ کردیا ہو۔

تو ان سے خاک بھی نسبت نہیں ہوسکتی۔ غرض میں یہ بیان کررہا تھا کہ حضرات صحابہ کا کمال علم وفنون کی تکمیل میں نہ تھا ان کا بڑا کمال تو یہ تھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تھا جس کی وجہ سے ان کے قلوب ہمارے قلوب سے زیادہ منور اور ان کا علم ہمارے علم سے اعمق تھا(۱) تو اس تقریر سے تو یہ ثابت ہوگیا کہ صحابہ کا علم ہمارے علم سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔

تمہید عذر

اب آگے وہ عذر سنئے! پہلی آیت میں تو عام خطاب تھا اور اس آیت میں خاص حضرات صحابہ کو خطاب ہے۔ فرماتے ہیں: أَوَلَمَّآ أَصَٰبَتۡكُم مُّصِيبَةٞ قَدۡ أَصَبۡتُم مِّثۡلَيۡهَا قُلۡتُمۡ أَنَّىٰ هَٰذَاۖ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِندِ أَنفُسِكُمۡۗ الآیۃ(۲)

شان نزول اس کا یہ ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوگئی تھی اور شکست بعد میں ہوئی پہلے مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگیا تھا۔ قصہ اس کا یہ ہوا کہ غزوہ احد میں حضور ﷺ (روحی فداہ ﷺ) پچاس صحابہ کی جماعت کو جو کہ تیرانداز تھے ایک درہ کوہ(۳) پر یعنی گھاٹی پر مقرر کیا تھا اور ان سے یہ فرمادیا تھا کہ تم یہاں سے ہرگز نہ ہٹو! چاہے ہم کو فتح نصیب ہو یا خدانخواستہ شکست ہو، چاہے ہماری بوٹی بوٹی الگ ہوجائے مگر تم یہیں جمے رہیو! اس انتظام کے بعد جو مسلمانوں نے کفار پر حملہ کیا تو کفار کو شکست ہوگئی اور وہ ایسے بے تحاشا بھاگے کہ ان کی عورتوں کی پنڈلیاں بھاگتے ہوئے نظر آتی تھیں۔ اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ بھی کفار کی طرف تھے وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اس وقت تک وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہ تھے۔ مگر ہم تو اس واقعہ کے تذکرہ کے وقت بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں گے کیونکہ بعد میں بڑے جلیل القدر صحابی ہوئے، سیف اللہ کا لقب پایا۔ غرض وہ اس وقت لشکر کفار کی کمان کررہے تھے، بھاگتے بھاگتے ان کے جاسوس نے ان کو اطلاع دی کہ گھاٹی خالی ہے۔ یہاں یہ

(۱) گہرا تھا (۲) ال عمران: ۱۶۵ (۳) پہاڑ کے درہ پر۔

قصہ ہوا کہ جب کفار کو شکست ہوگئی تو بعض نوجوان صحابہ نے اپنے افسر سے کہا کہ اب تو مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگیا اور سب غنیمت کا مال لوٹ رہے ہیں ہم کو بھی لوٹنا چاہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو ارشاد تھا وہ مبالغہ کے طور پر تھا اور مقصود صرف یہ تھا کہ جب تک ہم کو فتح حاصل نہ ہو اس وقت تک تم یہاں سے نہ ہٹنا۔ کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کی رائے کے خلاف کیا کہ نہیں مقصود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ بھی ہو مگر ہم کو صریح ممانعت کے بعد یہاں سے نہ ہٹنا چاہیے۔ غرض دو فریق ہوگئے کچھ تو لوٹنے میں مشغول ہوگئے اور کچھ دس پانچ اسی جگہ جمے رہے، جب گھاٹی پر تھوڑے سے آدمی رہ گئے تو خالد بن ولید نے اپنے بھاگنے کا رخ گھاٹی کی طرف بدل دیا اور چند مسلمان جو وہاں جمع ہوئے تھے ان کو تہ تیغ کر کے پشت کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے، انہوں نے پشت کی طرف سے حملہ کیا اس کے بعد جو کفار بھاگ رہے تھے وہ بھی پلٹ پڑے اور سامنے کی طرف سے انہوں نے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر دیا، مسلمان بیچ میں آ گئے، بہت آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کو شکست ہوگئی، بہت سے صحابہؓ بھاگ گئے، تو یہ شکست اس وجہ سے ہوئی کہ گھاٹی والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی مخالفت کی۔ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ترجمہ یہ ہے کہ کیا جب تم پر کوئی ایسی مصیبت آتی ہے جس سے دوچند(۱) تم (غزوہ بدر میں کفار کو) مصیبت پہنچا چکے ہو تو تم یوں کہتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی؟ آپ فرما دیجئے! کہ یہ تمہارے ہی نفسوں کی وجہ سے آئی۔ یعنی تم نے اپنے آپ اپنے سر مصیبت لی کہ ہمارے پیغمبر کے حکم کی مخالفت کی اور مال لوٹنے کی طمع کی یہ تمہید تھی۔

عذر گناہ

اب وہ عذر سنئے! اس آیت میں جو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے انی ھذا(۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی ایسا موقع

(۱) دوگنے (۲) یہ مصیبت کہاں سے آئی۔

پڑا ہے کہ ان کو یہ کہنے کی نوبت آئی کہ یہ بلا کہاں سے آ گئی حالانکہ ان کی بصیرت ہماری بصیرت سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ جیسا کہ اوپر مفصلاً ثابت ہوا مگر اس کے باوجود وہ بھی کبھی اپنی کوتاہی کو بھول جاتے تھے اور یہ خیال ان کو بھی نہ ہوا کہ یہ مصیبت ہمارے فلاں فعل کی وجہ سے آئی تو اب اگر آپ لوگ بھی اپنی خطاؤں کو بھول جائیں تو کچھ زیادہ تعجب نہیں۔ لیجئے! میں نے آپ کا عذر بھی بیان کر دیا۔ معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت علی التعین (۱) کسی خطا پر نظر نہ ہونا طبعی بات ہے جو صحابہؓ کو بھی پیش آئی کہ وہ بھی نہ سمجھے کہ ہماری کونسی خطا پر یہ سزا مرتب ہوئی مگر پھر بھی صحابہ مطلقاً نفس مسئلہ سے غافل نہ تھے اور آپ کو تو خود مسئلہ ہی کی خبر نہیں کہ گناہ کو بھی مصیبت میں کچھ دخل ہے یہ تو دلیل نقلی تھی اس بات کی کہ جو کچھ مصیبت آتی ہے وہ گناہ کی وجہ سے آتی ہے۔ دوسری بات عقلی ہے گرچہ دلیل نقلی کے بعد اس کی حاجت نہیں رہی مگر آج کل عقل کا ہیضہ بہت پھیل رہا ہے اس لیے بعض لوگوں کو بدون دلیل عقلی کے تسلی نہیں ہوتی۔ عورتوں کو حیض (۲) آتا ہی تھا مگر آج کل مردوں کو بھی ہیضہ ہو گیا عورتوں سے بڑھ گئے۔ مگر اتنا فرق اب بھی ہے کہ وہاں بڑی حاء ہے اور یہاں چھوٹی ہا۔

گرفت بر گناہ

وہ دلیل یہ ہے کہ سب جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ بہت بڑے رحیم ہیں ان کی رحمت ورافت (۳) اپنی مخلوق کے ساتھ اس درجہ ہے کہ نہ کسی باپ کو اپنی اولاد سے ہوسکتی ہے نہ کسی ماں کو۔ شاید آپ کہیں کہ یہ بھی تو دلیل نقلی ہوئی کیونکہ حق تعالیٰ کا اس درجہ رحیم وکریم ہونا یہ بھی تو نصوص ہی سے معلوم ہوا ہے۔ تو لیجئے! میں اس کو بھی عقل سے ثابت کیے دیتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر خدا کی رحمت آپ کو محسوس نہیں ہوتی تو یہ تو آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ ماں اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے۔ جانوروں تک اپنے بچوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں خود آپ کو بھی کسی سے ضرور محبت ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے

(۱) متعین طور پر کسی غلطی پر نظر نہ ہو (۲) ایام مہواری (۳) شفقت۔

کہ یہ ہماری ایک صفت جو کہ وجود کی فرع ہے، وجود ہی اگر نہ ہوتا تو یہ محبت کہاں سے پیدا ہوتی اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ وجود ہمارا اپنے گھر کا نہیں خدا کا دیا ہوا ہے تو یہ تمام صفات بھی اسی کی عطا کردہ ہیں اس کے بعد دوسرا مقدمہ یہ ملا لیجئے کہ یہ باتفاق عقلاء کے ایک کمال ہے اور حق تعالیٰ کسی کمال سے خالی نہیں تو ان میں صفت محبت کا ہونا عقلاً ثابت ہوگیا تو جب وہ اتنے بڑے رحیم ہیں اور پھر بندوں پر مصیبتیں بھیجتے ہیں تو یہ کب خیال ہوسکتا ہے کہ اتنا بڑا چاہنے والا خواہ مخواہ اپنی مخلوق کو پریشان کرتا ہوگا بلکہ ضرور کوئی قصور آپ کی طرف سے بھی ہوا جبھی تو اس رحیم وکریم نے یہ مصیبتیں آپ پر نازل کی ہیں۔ غرض عقلاً ونقلاً یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو کچھ مصیبت آتی ہے ہمارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہے اس کے بعد تعجب ہے کہ اب بھی بعض لوگ ایسے وقت میں یوں کہتے ہیں کہ اے اللہ کس گناہ میں پکڑے گئے۔ میں کہتا ہوں کہ ہائے اللہ کیا اب بھی آپ کو اپنے تقدس کا اعتقاد ہے جو لوگ نماز روزہ کرتے رہتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں وہ اگر یہ بات کہیں تو ان کو تو اس کہنے کا کچھ منہ بھی ہے مگر بے نمازی بھی تو یوں کہتے ہیں کہ ہائے کس گناہ میں پکڑے گئے۔ اب یا تو یہ لوگ اپنے گناہوں کو گناہ ہی نہیں سمجھتے مگر مسلمان کی نسبت یہ خیال تو نہیں کیا جاسکتا کہ وہ گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا کیونکہ یہ تو کفر ہے مگر میں اس کا منشاء آپ کو بتلانا چاہتا ہوں۔

تکرار گناہ

اس کا منشاء یہ ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اور اکثر باتوں میں جاہل لوگ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا کرتے ہیں جیسا کہ ایک بڑھیا نے کہا تھا کہ جب سارے آدمی جانور مرجائیں گے قیامت میں تو اللہ تعالیٰ کا اکیلے جی نہیں گھبرائے گا؟ اور بہت سے واقعات ایسے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا خاصہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے اسی طرح جو لوگ کہ رات دن گناہوں میں مبتلا ہیں وہ اپنے آپ کو دیکھتے ہیں کہ پہلے پہل گناہ جب صادر ہوتا ہے

تو دل کڑھتا ہے پھر کرتے کرتے عادت سی ہوجاتی ہے کہ اس سے دل بھی نہیں برا ہوتا تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جن گناہوں کی ہم کو عادت ہوگئی ہے خدا تعالیٰ کو بھی (نعوذ باللہ) ان کی تو عادت ہوگئی ہوگی کیونکہ قاعدہ ہے کہ پہلی مرتبہ خطا پر زیادہ غصہ آیا کرتا ہے۔ جب اس وقت سزا نہیں دی تو دوسری مرتبہ پر غصہ کم آیا کرتا ہے اور پھر جب بار بار ایک کام خلاف منشاء ہوتا ہے ایک مساوات سی ہوجاتی ہے جس طرح کسی کی بیوی بدمزاج ہو تو پہلے پہل تو اس کی باتوں پر غصہ آیا کرتا ہے جب دیکھتے ہیں کہ اس کی عادت ہی اس طرح کی ہے تو اچھے اچھے دنیاداروں کو بھی مساوات ہوجاتی ہے اور بے چارے اللہ والے تو پہلے ہی سے صبر کر لیتے ہیں مگر دنیاداروں سے صبر دشوار ہے وہ خوب مرمت کرتے ہیں اور انہی سے عورتیں سیدھی بھی ہوجاتی ہیں۔ سچ کہا ہے کہ کسی نے ''یغلبن الحازم ویغلبنهن الجاهل''(۱)

بیویوں سے برتاؤ

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مولوی بیویوں سے دبتے ہیں خیر کوئی یوں ہی سمجھ لے مگر وہ حقیقت میں دبتے نہیں بلکہ کمزور پر بہادری ظاہر کرتے ہوئے غیرت کرتے ہیں جس طرح دنیادار اپنی بیویوں کو کوٹتے (۲) ہیں ان سے یہ نہیں ہوسکتا تو بعض تو غیرت کی وجہ سے اس کی کج خلقی کو (۳) نبھاتے ہیں اور بعضے اللہ کے بندے اس سے بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ ایک بزرگ کی بیوی بہت کج خلق (۴) تھیں اور ان کو اس کے ہاتھ سے بہت اذیت تھی ایک مرتبہ کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت اس کا رسہ (۵) کیوں نہیں کاٹ دیتے جب وہ باز نہیں آتی تو طلاق دے کر الگ کر دیجئے! ان بزرگ نے فرمایا کہ ہاں! بھائی سچ کہتے ہو واقعی خیال تو مجھے بھی ہوا تھا کہ اس کو طلاق ہی دے دوں مگر پھر یہ خیال ہوا کہ اگر میں نے اس کو طلاق دے دی تو یا تو یہ دوسرا نکاح نہ کرے گی تو اس صورت میں اس کو تکلیف ہوگی اس کے نان ونفقہ کی کون خبر لے گا اور اگر اس نے دوسرا

(۱) سمجھداروں پر عورتیں غالب آتی ہیں اور عورتوں پر جاہل مرد غالب آتے ہیں (۲) مارتے ہیں (۳) بد اخلاقی (۴) بداخلاقی (۵) طلاق دے کر الگ کریں۔

نکاح کسی سے کرلیا تو اس کے ساتھ بھی یہ اس طرح رہے گی جس کے سر پڑے گی اس کے لیے وبال جان ہوجائے گی اس لیے میں ہی سب مسلمانوں کی طرف سے تکلیف برداشت کرنا گوارا کرتا ہوں دوسرے مسلمانوں کو اس سے تکلیف نہ پہنچے تو میں نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ میں مسلمانوں کے لیے وقایہ (۱) بنا ہوا ہوں کہ امت محمد یہ میں سے کسی شخص کے پیچھے یہ بُلا نہ پڑے۔ ماشاء اللہ ان حضرات کی کیسی نیتیں تھیں، دنیاداروں سے اول تو صبر نہیں ہوتا، خوب مرمت کرتے ہیں اور جو اس سے باز نہ آئے کھانا کپڑا بند کردیتے ہیں اور بعضے طلاق ہی دے ڈالتے ہیں مگر اللہ والوں سے تو یہ نہیں ہوسکتا اس لیے سب ان کو یہ کہتے ہیں کہ بیویوں سے دبتے ہیں کوئی کچھ ہی کہے مگر وہ تو اس تحمل و برداشت میں ثواب کی امید کرتے ہیں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ کا حال

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی نازک مزاج تھے ان کا ایسا شاہانہ مزاج تھا کہ ایک مرتبہ آپ کو رات بھر نیند نہ آئی صبح کو جو تشریف لائے تو آنکھوں میں نیند نہ آنے کا اثر تھا، سرخی ہوگی۔ خدام نے دریافت کیا کہ آج کیسا مزاج ہے؟ فرمایا: رات بھر نیند نہ آئی، لحاف میں نگندے (۲) ٹیڑھے پڑے ہوئے تھے اس سے رات بھر الجھن رہی۔ نہ معلوم رات کو لحاف میں منہ لپیٹ کر نگندوں کا ٹیڑھا ہونا کیسے معلوم ہوگیا ہوگا۔ نہایت لطیف مزاج تھے آپ کی بیوی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا بہت ہی ٹیڑھے مزاج کی تھیں۔ مرزا صاحب کو کوری کوری سناتی تھیں آپ کو کشف میں بتلایا گیا تھا کہ فلاں عورت سے نکاح کرلو تمہارے درجے بلند ہوں گے اس لیے آپ نے ان سے نکاح کرلیا تھا۔ (چنانچہ انہوں نے ساری نزاکت کی کسر نکال دی تھی ۱۲ جامع) اور آپ نے ساری عمر ان کو نبھایا اور کبھی ان کے کہنے کا برا نہیں مانا۔ جب مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال قریب آیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میرے بعد تم پانی پت قاضی ثناء

(۱) بچاؤ کا سبب بنا ہوا ہوں (۲) لحاف میں دھاگے ٹیڑھے ٹیڑھے پڑے ہوئے تھے۔

اللہ صاحب کے پاس چلی جانا وہ تمہاری ناز برداری کرلیں گے اور کوئی تمہاری خدمت نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ پانی پت چلی آئیں اور قاضی صاحب نے ان کی ہمیشہ خدمت کی اور اپنے وصیت نامہ میں جہاں اور وصیتیں لکھی تھیں ان کے واسطے بھی کچھ زمین کی وصیت کردی تھی کہ اس کی آمدنی میرے بعد ان کو دی جائے۔ غرض وہ بہت ہی سخت مزاج تھی مگر مرزا صاحب کا معمول تھا کہ روزانہ صبح کے وقت ایک خادم کو ڈیوڑی (۱) پر بھیجتے تھے کہ بیگم صاحبہ کا مزاج پوچھ کر آؤ جب خادم مزاج پوچھنے جاتا وہ اس کو بھی اور مرزا صاحب کو بھی خوب سخت سخت سناتیں۔ ایک دفعہ آپ نے کسی ولایتی مرید کو مزاج پرسی کے لیے بھیجا۔ انہوں نے پھر ویسی ہی سنانا شروع کیں اور اس ولایتی کو بہت ناگوار ہوا اور انتقام لینا چاہا مگر یاد آگیا کہ مرزا صاحب کی متعلق ہیں خاموش ہوکر منہ بنا کر آبیٹھے، مرزا صاحب سمجھ گئے ہنس کر فرمانے لگے کیا ہوا؟ ایسے کیوں ہورہے ہو! انہوں نے عرض کیا حضرت کچھ پوچھئے نہیں! اور سب قصہ بیان کیا اور اپنی ناگواری اور رنج کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا بھائی برا نہیں ماننا چاہیے وہ ہماری محسن ہے اس سے نفس کی اصلاح ہوتی رہتی ہے غرض وہ ایسی تھیں۔

برکت تعلق

باقی ہماری تو وہ مخدومہ ہی ہیں ہم تو ان کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہا ہی کہیں گے کیونکہ وہ ایک بزرگ کی بیوی ہیں ان شاء اللہ حضرت کی برکت صحبت سے وہ بخش ہی دی جائیں گی۔ اگر کسی بزرگ کی اہل کا برتاؤ ان بزرگ کے ساتھ اچھا نہ ہو تو چھوٹوں کو ان کی شان میں گستاخی نہ کرنا چاہیے۔ تمہاری تو وہ بہر حال مخدومہ ہی ہیں۔ یاد رکھئے! جس طرح آپ کو ان بی بی صاحبہ کی گستاخیاں ان بزرگ کے ساتھ ناگوار ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان بزرگ کو آپ کی گستاخی ان کی بی بی کی شان میں ناگوار ہوتی ہے اور بزرگوں کو تکلیف پہنچانا تھوڑی بات نہیں اس لیے بزرگوں کی اہل کے ساتھ بھی

(۱) گھر کے دروازے پر بھیجتے تھے۔

گستاخی نہ چاہیے۔ یہ بزرگ اپنے متعلقین کو چھوڑیں گے نہیں ان شاء اللہ سفارش کر کے بخشوا ہی لیں گے کیونکہ اہل اللہ کے حوصلے بڑے ہوتے ہیں اگر اپنی بیوی سے یا کسی عزیز وغیرہ سے ان کو تکلیف پہنچی ہوگی تو وہ اس کا اثر دل میں نہ رکھیں گے فوراً سب کو معاف کر دیں گے اور آخرت میں حق تعالیٰ سے ان کے واسطے سفارش بھی کریں گے۔

کفن چور کا قصہ

ایک کفن چور کا قصہ ہے اس کی ایک بزرگ سے دوستی تھی ایک دفعہ ان بزرگ نے اس سے کہا کہ بھائی ہم کو اندیشہ ہے کہ تم ہمارا کفن بھی چراؤ گے اس نے کہا توبہ توبہ آپ سے ایسی گستاخی کبھی نہیں کروں گا۔ انہوں نے فرمایا ہم کو اطمینان نہیں البتہ ایک صورت اطمینان کی ہے کہ ہم سے تم کفن کی قیمت لے لو اور وعدہ کر لو! اس نے اس سے انکار کیا۔ انہوں نے اصرار کر کے قیمت سپرد کر دی اور فرمایا بس اصل مقصود تمہارا یہی روپیہ ہے سو تم کو یہ حاصل ہی ہو گیا اب مت چرانا اس نے کہا اول تو اس کی حاجت نہ تھی مگر خیر اب تو کوئی احتمال ہی نہ رہا۔ اتفاق سے ان بزرگ کا انتقال ہو گیا، یہ صاحب وہاں پہنچے اور وہی حرکت شروع کی، ان بزرگ کی کرامت ظاہر ہوئی کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ کیوں صاحب یہی ٹھہری تھی؟(۱) یہ خوف سے وہاں ہی گر گیا اور دم نکل گیا، کسی خلیفہ نے ان بزرگ کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ ہم نے تو ہنسی میں اس سے یہ کہا تھا ورنہ کفن چورانے سے ہمارا کیا ضرر تھا(۲) مگر وہ ایسا بزدل نکلا کہ مر ہی گیا گو وہ فاسق ہے مگر ہم نے اس کا بازو پکڑ لیا ہے اس کی لاج آتی ہے اب میں اس کی سفارش کر کے بخشوانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم اس کی تجہیز و تکفین کرو۔

مہلت توبہ

غرض میں یہ بیان کر رہا تھا کہ عوام کا خیال یہ ہے کہ جس طرح ہم کو گناہ کرتے کرتے عادت ہو جاتی ہے اسی طرح معاذ اللہ حق تعالیٰ کو بھی ایک گناہ کو بار بار دیکھتے

(۱) کیا یہی عہد و پیمان ہوا تھا (۲) نقصان۔

دیکھتے عادت سی ہوجاتی ہوگی، اس پر زیادہ غصہ نہ آتا ہوگا۔ ہاں! جب کوئی نیا گناہ ہوتا ہوگا تب حق تعالیٰ کو غصہ آتا ہوگا اسی لیے جب مصیبت آتی ہے تو عوام یہی کہتے ہیں کہ نہ معلوم ہم سے کون سا گناہ ہوگیا تھا۔ افسوس مہلت اور ڈھیل دینے کا یہ مطلب نہیں نکالا گیا کہ وہ گناہ گناہ ہی نہ رہا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یوں سمجھتے کہ ہم ہروقت زمین میں گاڑ دیئے جانے کے قابل ہیں، اور جو گھڑی سلامتی کے ساتھ گزر جاتی ہے یہ خدا کی عنایت ہے کہ توبہ واستغفار کی مہلت اور ڈھیل دے دی مگر جب اس مہلت کی یہ قدر کی گئی کہ اس کی وجہ سے وہ گناہ گویا گناہ ہی نہ رہے تو اب ادھر سے جو کچھ بھی ہو تھوڑا ہے۔ صاحبو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم مصیبت کے آنے پر کیا تعجب کرتے ہو یہ تو کچھ تعجب کے قابل بات نہیں اگر ہم کو سزا ملے یہ تو قاعدہ کے موافق ہے، مجرم کو سزا ملا ہی کرتی ہے اور ہم نے اپنے اوپر نہ معلوم تعزیرات (۱) الٰہی کی کتنی دفعات قائم کر رکھی ہیں تو مصیبت کا آنا کوئی تعجب خیز نہیں بلکہ خدا کی قسم ہم کو ذرا سی راحت اگر مل جائے تو وہ تعجب کی بات ہے۔ آپ مصیبت آنے پر حیرت کرتے ہیں کہ یہ بلا کس گناہ کا بدلہ ہے۔

پاکئ داماں

میں کہتا ہوں کہ تم کھانا کھاتے ہوئے یہ سوچا کرو کہ آج ہم نے کونسی طاعت اور کونسا نیک کام کیا ہے جو یہ کھانا ہم کو مل گیا۔ عشاق کا مذاق پیدا ہوجائے تو پھر منہ سے کبھی یہ بات نہ نکل سکے کہ یہ بلا کس گناہ کی وجہ سے آئی ان کا تو مذاق یہ ہے۔

وجودك ذنب لا يقاس به ذنب

''تیرا وجود خود گناہ ہے، گناہ کے سوا اسے قیاس نہیں کیا جاسکتا''

کہ خود ہمارا موجود ہونا ہی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے برابر کوئی گناہ نہیں موجود۔ حقیقی (۲) کے سامنے ممکن معدوم کی ہستی کیا ہے (۳) کہ یہ بھی وجود میں اس کے ساتھ شریک ہو۔ یہ تو ہر وقت نیست ونابود کردئے جانے کے قابل ہے، لیجئے عارفین تو

(۱) خدا تعالیٰ کی سزاؤں کے مستحق ہونے کے متعلق کتنے کام کئے ہوئے ہیں (۲) اللہ کے وجود کے سامنے (۳) ایک ختم ہونے والے وجود کا مرتبہ ہی کیا ہے۔

آپ کے وجود ہی کو گناہ بتلا رہے ہیں جس سے آپ بچ ہی نہیں سکتے۔ اس شعر کا یہ مطلب نہیں کہ وجود فی نفسہ گناہ ہے کیونکہ وجود فی نفسہ ہمارے اختیار میں کب ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے کو موجود سمجھنا اور اپنی ہستی پر نظر کرنا گناہ ہے۔ سو واقعی جس کی نظر موجود حقیقی کی ہستی پر ہے وہ تو اس کے سامنے اپنے آپ کو موجود کہتے ہوئے بھی شرمائے گا:

ہمہ ہرچہ ہستند ازاں کمترند کہ باہستیش نام ہستی برند

''جو چیزیں موجود ہیں موجود حقیقی کے سامنے اتنی کمتر ہیں کہ ان کا نام بھی نہیں لے سکتے کہ ان کا وجود ہے''

وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو شیخ نے کتنی دو مختصر اور آسان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ جتنی چیزیں ہست (۱) نظر آتی ہیں گو ہست تو ہیں (۲) مگر پھر بھی یہ سب موجود حقیقی کے سامنے اس سے بھی کمتر ہیں کہ ہستی کا نام بھی لے سکیں یعنی اس قابل بھی نہیں ہیں ان کا وجود اس کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ جب ان کے نزدیک وجود بھی گناہ ہے تو سارے نیک اعمال بھی ان کے نزدیک حسنات نہیں بلکہ ان کی نظر میں وہ بھی سیئات ہیں (۳) اور جو واقعی سیئات ہیں ان کو تو نہ معلوم وہ کس درجہ میں شمار کرتے ہوں گے۔ اب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ ہم کس گناہ میں مارے گئے یہ اپنے کو مقدس سمجھنا ہے۔ یہی خود بہت بڑا گناہ ہے اور گناہوں کو تو کیا پوچھتے ہو! پہلے اسی کی خبر لو! کہ خود اسی وقت عجب ودعویٰ کے گناہ میں مبتلا ہو رہا ہے۔

معصیت طاعت

صاحبو! سچ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہماری پردہ پوشی فرماتے رہتے ہیں ورنہ پہلی امتوں کی طرح اگر گھر کے دروازے پر گناہ لکھ دیئے جایا کرتے جیسا کہ پہلے ہوا کرتا تھا کہ رات کے گناہ دن میں دروازہ پر لکھے ہوتے تھے اور دن کے گناہ تو سب دیکھتے ہی

(۱) موجود نظر آتی ہیں (۲) اگرچہ موجود ہیں (۳) گناہ۔

تھے۔ اس وقت معلوم ہوتا کہ ہم کس قدر گناہ کرتے اور کتنے رسوا اور ذلیل ہوئے ہیں مگر اس نعمت کی ہم نے یہ قدر کی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو ہمارے گناہ چھپائے تو ہم خود بھی اپنے کو مقدس سمجھنے لگے۔ اے صاحبو! دوسروں ہی سے تو ہمارے گناہ چھپے ہوئے ہیں خود ہم سے تو نہیں چھپا دیئے گئے؟ پس یہ کتنی حماقت ہے کہ دوسروں کے حسن ظن سے ہم نے خود بھی اپنے ساتھ حسن ظن کرلیا(۱)۔ ہم کو چاہیے کہ جب طاعت کریں تو اس کو دیکھیں کہ ہم نے اس کو کس طرح ادا کیا۔ پھر یہ سوچیں کہ ہم سے کیسی طاعت مطلوب تھی اور ہم نے ادا کیسی کی ہے۔ ایسی ہی طاعت ہم سے مطلوب ہے جیسی ہم ادا کرتے ہیں؟ ایک نماز ہی کو لے لو! کہ ہم اس کی کیسی بری گت بناتے ہیں نہ طریقہ کے ساتھ وضو کیا جاتا ہے نہ قاعدہ کے موافق قرأت ہے نہ اطمینان سے رکوع اور سجدہ ہے ایسی ٹکریں مارتے ہیں جیسے کوئی بیگار(۲) سر سے ٹالتا ہو اور خشوع وخضوع کا تو پتہ ہی کہیں نہیں ہوتا نہ معلوم دل کہاں کہاں ٹکریں مارتا پھرتا ہے پھر اس پر سمجھتے ہیں کہ ہم نمازی ہیں، نماز کے پابند ہیں اور اس طرح ہر کام کو دیکھئے! اور سوچئے! واللہ اگر ہم اس طرح کسی دنیا کے آقا کا کام کریں تو ہمارے سر پر سو جوتے روزانہ پڑا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین اپنی طاعات کو نہیں سمجھتے وہ تو یوں کہتے ہیں:

خود ثناء گفتن زمن ترک ثناست کیں دلیل ہستی وہستی خطاست

''خود ثناء کرنا میری طرف سے ترک ثناء ہے یہ ہستی کی دلیل ہے اور ہستی خود خطاء ہے''

اور طاعات بھی ایک قسم کی ثناء ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرا ثناء کرنا یعنی طاعت بجالانا یہ خود ترک طاعت ہے یعنی وہ بھی ایک گناہ ہے کیونکہ ہم اس پر نظر عجب سے نگاہ(۲) کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ کی حکایت

خشوع کے اوپر مجھے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا اور ان کے بھائی کا قصہ یاد آیا۔

(۱) اچھا گمان قائم کرلیا (۲) زبردستی (۳) عبادت کرکے ہم سمجھتے ہیں ہم نے بڑا کام کیا اور عبادت کرکے اپنے کو عابد سمجھنا گناہ ہے۔

امام ابوحامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی احمد غزالی جماعت سے نماز نہ پڑھتے تھے۔ مغلوب الحال زیادہ تھے ایک مرتبہ امام غزالیؒ نے والدہ سے اس کی شکایت کی۔ انہوں نے ان کو سمجھایا بجھایا، خیر جماعت میں آکر کھڑے ہوئے۔ امام غزالی امام بنے نماز پڑھنی شروع کی، بس تھوڑی ہی دیر میں ان کے بھائی صاحب نیت توڑ کر جماعت سے علیحدہ ہوگئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو جو معلوم ہوا کہ نیت توڑ کر چلے گئے بہت ناگوار ہوا آکر والدہ صاحبہ سے اس کی شکایت کی، والدہ نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی وہ کہنے لگے اگر کسی کے کپڑے میں حیض کا خون لگ جاوے تو نماز نہیں ہوتی، ان کے قلب میں حیض کا خون لگ رہا تھا، بس میں اقتداء سے جدا ہوگیا اور ہوا یہ کہ اس زمانہ میں ایک فقہ کی کتاب لکھ رہے تھے تو اس وقت ایک خاص جزئیہ اس(۱) باب کا ان کے قلب میں گزرا ان کو مکشوف(۲) ہوگیا۔ اب دیکھئے کہ ان کی والدہ صاحبہ کیا فیصلہ فرماتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ محمد (امام غزالی کا نام ہے) واقعی تم نے نماز کا حق ادا نہ کیا، مسائل کے حل کے لیے دوسرا وقت ہے نماز میں کیوں ادھر التفات کیا اور دوسرے سے فرمایا کہ احمد تم نے بھی خطا کی تمہارا حضور بھی کامل نہ تھا تم کو حق تعالیٰ سے توجہ ہٹا کر ادھر کیوں التفات ہوا؟ کہ امام کیا کر رہا ہے کیا سوچ رہا ہے دونوں کے حضور میں نقصان ہے۔ واقعی کیا اچھا فیصلہ کیا۔ گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ نماز میں ایسی حالت ہونی چاہیے:

دلارامے کہ داری دل دروبند دگر چشم از ہمہ عالم فروبند(۳)

اے صاحبو! اگر ہم کو ہر وقت یہ حالت نصیب نہیں تو کم از کم نماز میں تو ایسا ہوجانا چاہیے کہ تمام عالم سے آنکھیں بند کرلیں جس نے نماز میں بھی عالم سے آنکھیں بند نہیں کیں وہ پھر اور کس وقت خدا کی طرف لگے گا، تب احمد سمجھے کہ واقعی ہم کچھ نہیں ہیں، خشوع وخضوع کا ہمارا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ والدہ صاحبہ ہم سے بھی بڑھی ہوئی ہیں، کتنی بڑی غلطی پر متنبہ کیا جس کو ہم غلطی بھی نہ سمجھتے تھے ہم تو بھائی صاحب ہی کو الزام

(۱) عورت کے حیض سے متعلق ایک جزئی مسئلہ ان کے ذہن میں آگیا (۲) اسکی حقیقت ان پر کھل گئی
(۳) ''جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہو تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کرلو''۔

دیتے تھے کہ وہ نماز میں خشوع نہیں کرتے۔ اب معلوم ہوا کہ ہم خود بھی خشوع سے خالی ہیں بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس وقت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے خشوع میں پھر بھی بہت زیادہ نقصان نہ تھا کیونکہ ان کو تو ایک شرعی مسئلہ ہی کا خیال آیا تھا اور مسائل شرعیہ اگرچہ غیر خدا ہیں مگر پھر ان کو خدا کے ساتھ ایک گونہ تعلق ہے تو خدا کی طرف سے اگر دھیان ہٹا تھا تو اسی کے احکام میں لگا ہوا بھی تھا اور شیخ احمدؒ کا دھیان خدا کی طرف سے ہٹ کر امام کی حالت پر متوجہ ہوا اور ایک خاص واقعہ کا ان کو انکشاف ہو گیا(۱) تو ان کو خدا کی طرف خیال نہ رہا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ کا خدا کے احکام کی طرف تو یہ تھا تشتت ان کے تشتت سے اور ادون (۲) تھا، اب اس واقعہ کو سن کر فرمایئے! کہ ہم میں خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے آدمی ہیں؟ غرض نماز ہی کو دیکھ لو! تو معلوم ہو جائے کہ ہماری کوئی طاعت طاعت کہنے کے قابل نہیں۔

رفع اشکال

اس جگہ بظاہر یہ ایک شبہ ہوتا ہے میں اس کو بھی رفع کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''اجهز جيشي وانافي الصلوٰة'' کہ میں نماز کے اندر لشکر بھیجنے کا سامان کیا کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں نماز کے اندر لشکر کا خیال آتا تھا اور ایک آن میں دو چیزوں کی طرف التفات نفس محال ہے(۳) تو یقیناً لشکر کے خیال کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف خیال نہ رہتا ہوگا یا کم رہتا ہوگا تو اب یا تو یہ مانا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں خشوع نہ کرتے تھے یا یہ کہا جائے کہ خدا کے سوا دوسرے خیالات میں مشغول ہونا خشوع کے منافی نہیں۔ اشکال ہے ہر ظاہر میں سخت۔ اسی لیے ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس دو عالم جھگڑتے آئے تھے ایک تو خطرات کو آنے کو

(۱) یعنی ان کو پتہ لگ گیا کہ امام اس وقت نماز میں کسی دینی مسئلے کی طرف متوجہ ہو گئے جس سے نماز کی طرف کامل توجہ نہ رہی (۲) امام غزالی کی یہ بے التفاتی اپنے بھائی کی بے التفاتی سے کم درجہ تھی کیونکہ وہ مسئلہ کی طرف متوجہ تھے (۳) نفس کا بیک وقت دو چیزوں کی طرف کامل طور پر متوجہ ہونا محال ہے۔

خشوع کے منافی سمجھتے تھے دوسرے اس کو خشوع کے منافی نہ سمجھتے تھے اور اس قصہ سے استدلال کرتے تھے۔ پہلے شخص کو اس کی حقیقت نہ معلوم ہونے سے کوئی جواب نہ پڑا تھا۔ اس لیے بعضے لوگ اس واقعہ سے خشوع کے عدم وجوب کے قائل ہوئے ہیں کیونکہ ان پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کی حقیقت واضح نہیں ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے خشوع کی حقیقت

حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کی حقیقت کو منکشف فرمایا، آپ نے جواب دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجہیز جیش خشوع کے (۱) منافی نہیں کیونکہ وزیر جب بادشاہ کے دربار میں آتا ہے تو اس کا خشوع یہی ہے کہ سرکاری کاغذات کو دیکھے اور بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔ اس سے احکام دریافت کرے اور اس کے موافق فرمان شائع کرے (۲) تو ایک شخص تو وہ ہے جو بادشاہ کے دربار میں محض حاضری دینے آتا ہے اس کا کام یہ ہے کہ بادشاہ کی عظمت وجلال ظاہر کرنے کے لیے دست بستہ (۳) اس کے سامنے کھڑا رہے۔ چنانچہ دربار شاہی میں بہت سے خدمت گار صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے دست بستہ کھڑے رہیں۔ دوسرا کوئی کام ان کے ذمہ نہیں ہوتا۔ سو اس کا خشوع تو یہی ہے کہ ہاتھ باندھے سر جھکائے بادشاہ کے سامنے کھڑا رہے، کسی چیز کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور ایک وزیر ہے جس کا کام یہ ہے کہ سلطنت کا انتظام کرے اور بادشاہ کے حکم کے موافق فرمان نافذ کرے اس کا خشوع یہی ہے کہ تمام کاغذ کو دیکھے بھالے، ڈاک کو پڑھے ان کے جواب کو لکھ کر بادشاہ کو سنائے۔ پس ظاہر میں اگرچہ پہلے شخص کا خشوع بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نظر بادشاہ کے سوکسی چیز میں نہیں اور وزیر بظاہر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ معلوم ہوتا ہے وہ دست بستہ بادشاہ کے سامنے یکسو ہو کر نہیں کھڑا ہوتا مگر کون نہیں جانتا کہ وزیر کا مرتبہ پہلے شخص سے کس قدر بڑھا ہوا ہے اور اس کی اطاعت اور خشوع یہی ہے کہ دوسرے کاموں میں مشغول ہو جو بادشاہ نے اس کے سپرد کیے ہیں اسی طرح حضرت عمرؓ اپنے وقت میں خلیفۃ اللہ تھے جن

(۱) لشکر کی تیاری خشوع کے منافی نہیں (۲) فرمان جاری کرے (۳) ہاتھ باندھے۔

کے سپرد انتظام عام کا کام کیا گیا تھا ان خشوع یہی تھا کہ نماز میں کھڑے ہوکر حق تعالیٰ سے لشکر وغیرہ کی بابت احکام دریافت کریں اور نماز میں جو بات ان کے دل پر القاء ہو اس کے موافق عمل کریں اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ نماز میں جو کچھ القاء ہوتا ہے وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجہیز جیش (۱) کی وہی مثال ہے جو وزیر کی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوکر حالت ہوتی ہے۔ حضرت عمر کو تجہیز جیش میں بھی حضور حق ہی حاصل ہوتا تھا اس لیے ان کی یہ حالت کسی طرح خشوع کے منافی (۲) نہ تھی بلکہ عین خشوع تھی بلکہ مثال سے واضح ہوگیا کہ دوسروں کے خشوع سے آپ کا خشوع اس حالت میں بھی بڑھا ہوا تھا۔ غرض معلوم ہوگیا کہ یہ حالت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خشوع کی منافی کسی طرح نہیں اس سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہوگئی جو اس واقعہ سے خشوع کے عدم وجوب کے قائل ہوئے ہیں۔

قابل مواخذہ اطاعت

اور خشوع ضروری کیونکر نہ ہو جبکہ حق تعالیٰ خشوع نہ کرنے پر بہت زور کے ساتھ شکایت کے طور پر فرماتے ہیں: أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ ٱللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ ٱلْحَقِّ (۳) کیا مسلمانوں کے لیے (ابھی) اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب خدا کی نصیحت کے سامنے اور جو دین حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں، خشوع اگرچہ صحت صلوۃ کا موقوف علیہ (۴) نہ ہو یعنی نماز کی صحت اگرچہ خشوع پر موقوف نہیں اس کے بدون بھی نماز درست ہے اور فرض ذمہ سے ساقط (۵) ہوجاتا ہے۔

خشوع کی اہمیت

مگر صاحب روح المعانی نے علماء کا اس پر اجماع لکھا ہے کہ خشوع قبول صلوۃ کا موقوف علیہ ہے کہ بدون اس کے نماز قبول نہیں ہوتی اب آپ خود غور فرمالیں کہ نماز

(۱) لشکر کی تربیت قائم کرنے کی (۲) خشوع کے خلاف نہیں (۳) سورۃ الحدید:۱۶ (۴) اگرچہ نماز کا صحیح ہونا خشوع پر موقوف نہیں (۵) اتر جاتا ہے۔

سے مقصود کیا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ قبول ہی مقصود ہوتا ہے جو طاعت قبول نہ ہوئی وہ طاعت ہی کیا ہے اس سے آپ کو خشوع کی ضرورت معلوم ہوگئی ہوگی۔ رہا فرض کا ذمہ سے ساقط ہوجانا۔ یہ کوئی چنداں قناعت کی بات نہیں۔ دیکھئے! دو شخص بادشاہ کی خدمت کرتے ہوں ایک تو اچھی طرح اس کی مرضی کے موافق کرتا ہو کہ بادشاہ اس کی خدمت سے خوش ہوتا ہو اور دوسرا بری طرح کرتا ہوں جس سے بادشاہ کو غصہ آتا ہو، تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ دربار میں حاضر ہوجانا اور غیر حاضر نہ ہونا ہی کافی ہے؟ ہرگز نہیں! سب عقلاً اتفاق کے ساتھ یہی کہیں گے کہ ایسی خدمت سے کچھ نفع نہیں بلکہ ہر روز چونکہ وہ بادشاہ کو ناراض کرتا ہے اندیشہ ہے کہ کہیں ایک دن دربار سے بالکل ہی نہ نکال دیا جائے۔ افسوس کہ بادشاہوں کی خدمت میں تو سب کا اس پر اتفاق ہے کہ بے ڈھنگی طرح کرنا بالکل فضول ہے اور خدا تعالیٰ کی عبادت میں آکر سب کی عقلیں مسخ ہوگئیں کہ بدوں خشوع خضوع کے نماز پڑھ کر بھی خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے بڑا کام مارلیا۔

بے سلیقہ حاضری

حقیقت یہ ہے کہ ہماری طاعت تو سزا کے قابل ہے۔ اس کی بالکل وہی مثال ہے جیسے کوئی غلام زور زور سے بادشاہ کو پنکھا جھلتا ہو کہ کبھی کان پر لگ جاتا ہے کبھی سر پر کبھی ٹوپی اڑ جاتی ہے کبھی ماتھے پر لگ جاتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ بادشاہ کی خدمت کررہا ہے، یہ خدمت نہیں یقیناً بے ادبی ہے پھر اس طرح پنکھا جھلنے پر اگر وہ غلام ناز کرے کہ میں نے بڑی جانفشانی اور محنت سے بادشاہ کو پنکھا جھلا ہے میں انعام کا مستحق ہوں وہ احمق ہی نہیں؟ وہ انعام کا مستحق تو کیا ہوتا انعام(۱) میں باندھے جانے کے قابل ہے۔ یعنی اس لائق ہے کہ چوپاؤں اور جانوروں کے ساتھ باندھا جاوے کہ اس کو خدمت شاہی کا کچھ بھی سلیقہ نہیں نہ آداب شاہی کا خیال ہے مگر اس کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ جب خشوع کے بغیر نماز کوئی چیز نہیں تو اس سے فائدہ ہی کیا؟ لاؤ آج

(۱) چوپایوں یعنی بھیڑ بکریوں میں۔

سے نماز ہی کو طلاق دو! یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ مطلب میرا یہ ہے کہ نماز پڑھتے رہو مگر ساتھ ساتھ خشوع حاصل کرنے کی بھی کوشش کرتے رہو پھر اگر خشوع نصیب ہو گیا اور ان شاء اللہ کوشش کرنے سے حاصل ہو ہی جاوے گا۔

صدق طلب

ایسا ہوتا ہی نہیں کہ کوئی خدا کی طلب کر کے محروم رہ جاوے تب تو مقصود حاصل ہو گیا اور اگر فرض کر لو کہ تم نے خشوع حاصل کرنے کی باقاعدہ پوری کوشش کی پھر بھی حاصل نہ ہوا تو آپ بے فکر رہیں ان شاء اللہ قیامت میں خشوع کے نہ ہونے پر آپ سے مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ جو کام آپ کا تھا یعنی کوشش اور طلب وہ آپ کر چکے اب آگے کامیابی ہونا یا نہ ہونا یہ خدا کے قبضہ میں ہے، کوشش کے بعد ناکام رہنے سے مواخذہ نہیں ہوتا، مواخذہ اسی پر ہوتا ہے کہ تم نے کوشش کیوں نہیں کی مگر یہ بات میں نے فرض کے طور پر کہی ہے ورنہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ طلب اور کوشش کے بعد انسان ناکام نہیں رہتا اور جو ناکام رہتے ہیں وہ کوشش ہی نہیں کرتے یا کم کرتے ہیں۔

پس جب تک خشوع نہ حاصل ہو آپ بلا خشوع ہی کے نماز پڑھتے رہیں اور خشوع حاصل ہونے کی طلب اور کوشش میں لگے رہیں اور ہر نماز کے بعد حق تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتے رہیں اور دل سے یہ بھی دعا کرتے رہیں کہ یا اللہ ہمکو خشوع کامل عطا فرمادے۔ اس توبہ واستغفار کی برکت سے امید ہے کہ نماز میں خشوع نہ ہونے سے جو کمی رہ گئی تھی حق تعالیٰ اس کو بھی پورا کر دیں گے۔ اب تو آپ کو شریعت کی قدر ہوئی ہوگی! دیکھئے کس قدر آسانی ہے کہ اول تو خشوع سے نماز پڑھو اگر خشوع حاصل نہ ہو تو بلا خشوع ہی پڑھو اور ہر نماز کے بعد دعاء واستغفار کرتے رہو! اگر ساری عمر کوشش کرنے سے بھی خشوع حاصل نہ ہو تو بلا خشوع ہی پڑھتے رہو! مگر استغفار ضرور کرتے رہو، ان شاء اللہ خشوع والوں کے برابر ہو جاؤ گے، یہ حق تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے۔ غرض یہ کہ جب ہماری طاعات کی یہ حالت ہے تو پھر مصیبت آنے کے وقت یہ کہنا کہ ہائے کس

گناہ میں پکڑے گئے سخت بے حیائی ہے، گناہ سے ہمارا کونسا وقت خالی ہے ہم تو سرتا پا گناہ ہورہے ہیں، ہم کو تو اس پر تعجب ہونا چاہیے کہ اب تک صحیح سالم کیسے بیٹھے ہیں۔

اہتمام توبہ

جب یہ معلوم ہوگیا کہ مصائب کا سبب ہمارے گناہ ہیں تو اب اس کا علاج کیا ہونا چاہیے؟ اس لیے کہ کوئی مرض ایسا نہیں جس کی دوا نہ ہو گناہوں کا علاج بھی ہے۔ حدیث میں ہے: ''کُلُّکُمْ خَطَّاؤُوْنَ وَخَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ''(۱) کیا تسلی آمیز علاج فرماتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے ناامید نہ ہو مایوس نہ ہو، خطا ہوجانا انسان سے کچھ بعید نہیں، خطاوار تم سب ہو ملائکہ، انبیاء علیہم السلام کے سوا گناہوں سے معصوم کوئی نہیں اپنے اپنے درجہ کے موافق گناہ ہر شخص سے ہوتے ہیں مگر خیر الخطّائین میں التوابون یعنی خطا کاروں میں اچھے وہ ہیں جو بہت توبہ کرتے رہیں خطا ہوجانا کچھ زیادہ تعجب نہیں مگر اس کے بعد ندامت اور انفعال بھی نہ ہو اپنی اصلاح کی فکر بھی نہ ہو یہ زیادہ محل شکایت ہے اگر خطا کے بعد ندامت اور انفعال ہوتا رہے اور اصلاح کی کوشش جاری رہے تو پھر دن میں سو بار بھی خطا ہو تو حق تعالیٰ معاف فرمادیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطاؤں کے مقابلہ میں توابون فرمایا جس میں باعتبار صیغہ کے اشارہ اس طرف ہے کہ جتنی بار خطائیں کرتے ہیں اتنی ہی بار توبہ کرتے ہیں۔ غرض جو ہر گناہ سے توبہ کرتے رہتے ہیں وہ دوسرے خطا کاروں سے اچھے ہیں مگر توبہ کے یہ معنی نہیں کہ صرف زبان سے توبہ توبہ کہہ لیا جائے۔ نہیں توبہ یہ ہے کہ دل میں شرمندگی اور ندامت ہو اور آئندہ کے لیے اصلاح کا عزم ہو اور پچھلے حقوق کے ادا کرنے کا اہتمام شروع کردیں ورنہ زبانی توبہ سے کیا ہوتا ہے۔

حق استقامت

اس تقریر پر یہ شبہ ہوگا کہ جب مصائب گناہوں کے سبب سے آتی ہیں تو ہم تو بعضے اولیاء اللہ کو بھی مصائب میں مبتلا ہوتے دیکھتے ہیں تو کیا وہ بھی گنہگار ہیں؟ اس کے

(۱) ''تم سب خطا کرنے والے ہو اور اچھے خطا کرنے والے توبہ کرنے والے ہیں'' سنن الترمذی: ۲۴۹۹، الدر المنثور: ۴/ ۱۹

چند جواب ہیں، اول یہ کہ اولیاء اللہ ہی کہاں کے معصوم ہیں ان کے درجہ کے موافق گناہ ان سے بھی ہوتے ہیں۔ یوں کہئے؟ کہ وہ بھی اندھوں میں کانے راجا ہیں وہ دوسروں کے اعتبار سے نیک ہیں، ولی ہیں، سب کچھ ہیں مگر خدا کے عظمت وجلال کے سامنے تو وہ بھی خطا کار ہیں، خدا کے لائق اطاعت کوئی نہیں کرسکتا ان کی بھی کشتی استغفار اور توبہ ہی سے پار ہوسکتی ہے۔ حضرت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں:

بندہ ہماں بہ کہ تقصیر خویش عذر بدر گاہ خدا آورد
ورنہ سزا وار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد(۱)

اگر کوئی یہ چاہے کہ دین کا پورا حق ادا کردے اور سرمو(۲) شریعت سے تجاوز کسی بات میں بھی نہ ہو تو عادۃ ہرگز نہیں کرسکتا، بڑے سے بڑے ولی خطا سے معصوم نہیں، کبھی نہ کبھی کوئی لغزش خطا سے یا سستی سے ہو ہی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے: لَنْ یَشَادَالدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا عَلَبَہٗ اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا(۳) کہ کوئی شخص کبھی دین کا مقابلہ نہ کرے گا مگر وہ مغلوب ہوجائے گا اور دین یہی غالب رہے گا، بس سیدھی راہ پر چلتے رہو اور تم ہرگز پورا حق ادا نہیں کرسکتے۔ اس پر بظاہر یہ اشکال ہوگا کہ جب احصاء(۴) نہیں ہوسکتا تو پھر حضور ﷺ استقامت کا حکم کس لیے فرماتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ استقامت کا حق تو ادا نہیں ہوسکتا مگر جس قدر ہوسکے اور جتنا اپنی وسعت میں ہے استقامت کی کوشش کرنی چاہیے مگر کسی وقت یہ مت سمجھو کہ استقامت کا حق ہم سے ادا ہوگیا۔ رہی یہ بات کہ ہماری ہمت میں کتنی استقامت ہے اس کو سرمد فرماتے ہیں:

سرمد گلہ اختصار می باید کرد یک کار ازیں دوکار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیار میباید کرد(۵)

---

(۱) ''بندہ وہی بہتر ہے جو اپنی کوتاہی کا عذر دربار خداوندی میں لائے ورنہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی عظمت کے لائق کوئی کام بجالائے'' (۲) بال برابر بھی شریعت کے خلاف نہ کرے (۳) الصحیح للبخاری: ۱/۱۶، سنن النسائی کتاب الایمان باب: ۲۸۔ (۴) احاطہ نہیں ہوسکتا (۵) ''سرمد شکایت کو مختصر کرو اور دو کاموں میں سے ایک کام کرو یا تو تن کو محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وقف کردو یا محبوب سے قطع نظر کرو''۔

فرماتے ہیں کہ گلہ اور شکایت چھوڑو! بس دو کام میں سے ایک کام کرو! یا تو دوست کی رضا میں جان وتن کھپادو یا محبوب سے قطع نظر کرلو! اگر جان وتن عزیز ہے اور اس کا کھپانا منظور نہیں تو اور کہیں جاؤ یہ خدا تو ایسے ہی ہیں وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ بس اپنے کو مٹادو! ''أَنِ اقْتُلُوْٓا أَنفُسَكُمْ ''(۱)(اس آیت میں لوانا بیننا سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل نفس مطلوب نہیں پھر یہ دلالت مذکورہ فی المتن کیسی؟ جواب یہ ہے کہ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل امر تو یہی تھا مگر رعایت کے سبب تخفیف فرمادی گئی کہ اس کی ہمت نہ کریں گے ورنہ اگر مکلفین میں اسکی ہمت دیکھی جاتی تو اس کو ضرور مشروع فرماتے کیونکہ قابل مشروعیت کے ہے تو اس طرح مطلوب ہونا اس کا مدلول آیت ہوا ۱۲ اشرف) کا یہی مدلول ہے بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی مطلب ہے کہ اپنی جان کھپا دو خدا کے راضی کرنے میں مگر پھر بھی یہ مت سمجھو کہ تم نے حق ادا کردیا۔ بس اسی طرح چلتے رہو تم حق ادا نہیں کرسکتے اپنی کوشش میں لگے رہو اس کے بعد اپنا معاملہ خدا کے حوالہ کرو! کہ یا اللہ! جتنا مجھ سے ہوسکتا تھا وہ میں نے کیا اب آپ میرے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمائے! میری کوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف فرمایئے! پھر میں کہتا ہوں کہ خدا کو چھوڑ کر کوئی کہاں جاسکتا ہے، کوئی دوسرا در ہو تو کہیں جائے ان کی تو یہ شان ہے۔

عزیز یکہ ازدر گہش سر بتافت بیر درکہ شد ہیچ عزت نیافت

یعنی خدا کا دروازہ چھوڑ کر کہیں عزت حاصل نہیں ہوسکتی۔

ایک بزرگ کا حال

اس پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی۔ حضرت شیخ شیرازیؒ نے بوستاں میں لکھا ہے کہ ایک شیخ رات کو ہمیشہ تہجد کے لیے اٹھتے تھے۔ ایک رات غیب سے آواز آئی کہ یہاں کچھ قبول نہیں کچھ بھی کرتے رہو اور یہ آواز ایک مرید نے بھی سنی ۔ دوسری

(۱) سورۃ النساء:۶۶۔

رات کو اس نے دیکھا کہ شیخ پھر لوٹا بدھنا لے کر نماز کو اٹھے اور جائے نماز پر کھڑے ہو گئے، مرید نے عرض کیا کہ جب وہاں کچھ قبول نہیں تو آپ ہی کیوں سر مارتے ہیں، پڑ کے سور ہیئے! اس محنت سے کیا فائدہ شیخ نے جواب دیا کہ بھائی یہ تو سچ ہے کہ وہاں قبول نہیں مگر کوئی دوسرا دروازہ تم بتلادو جہاں قبول ہو میرا تو ایک ہی دروازہ ہے چاہے وہ قبول کریں یا نہ کریں میں تو اس در کو نہیں چھوڑ سکتا، اپنی سعی کرتا رہوں گا اور کہا:

تو دانی ازاں دل پر داختن کہ دانی کے بےاوتواں ساختن(۱)

پس یہ کرنا تھا کہ دریائے رحمت جوش میں آیا اور غیب سے دوسری آواز آئی:

قبول است گرچہ ہنر نیستت کہ جز ماپناہے دگر نیستت(۲)

یعنی اگرچہ عبادت قابل قبول نہیں تھی مگر چونکہ کوئی دوسری پناہ بھی نہیں اس لیے سب قبول ہے کئے جاؤ!

عشاق کا مذاق

دیکھئے! یہ مذاق ہوتا ہے عشاق کا کہ ان کو طلب سے کام ہوتا ہے اپنی طرف سے طلب میں کمی نہیں کرتے اور قبول و نا قبول کی کچھ پروا نہیں کرتے، بادشاہ کے دروازے پر بھیک مانگنے جانا چاہیے ہر دن جاتا رہے اگر سو بار دھکے ملیں گے کسی دن تو رحم آجاوے گا کہ اس غریب کے واسطے یہی ایک دروازہ ہے آخر اسے چھوڑ کر کہاں جائے، لاؤ! اس کی مراد پوری کر دیں۔

چنانچہ خسرو فرماتے ہیں:

خسرو غریب است گدا افتادہ در کوئے شما باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

اور اگر ایک دن بھی کچھ نہ ملے تو ہمارا کوئی حرج تو نہیں عبادت کرنے میں طلب کرنے میں دروازہ پر ناک رگڑنے میں کیا نقصان ہے؟ اجی جب وہ پوچھتے ہی

(۱) ''کیا اس سے دل خالی کر سکتے ہو جس کے متعلق معلوم ہو کہ بغیر اس کے گزارہ کر سکتے ہو'' (۲) ''قبول ہے کہ اگرچہ کمال کی کوئی بات اس میں نہیں سوائے اس بات کے کہ تم نے یہ کہہ دیا کہ ہمارے سوا پناہ کی اور کوئی جگہ نہیں''۔

نہیں کرو جب اور نہ کرو جب، دونوں حالتوں میں محرومی ہے تو کرتے رہنا اور محروم رہنا یہ اس سے اچھا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر بیٹھ جاؤ پھر محروم ہو کیونکہ چھوڑ کر بیٹھ جانے میں ہماری طرف سے بے رخی ہوگی اور عاشق کی شان سے بے رخی مستبعد ہے اور محبوب بے رخی کرے یہ اس کا ناز ہے اگر ہم کو بھیک نہ ملے تو ہمارا کوئی قرض تو نہیں تھا۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے کمی نہ کرو، جان کھپا دو اور پھر یہی سمجھتے رہو کہ ہم سے کچھ حق ادا نہیں ہوسکتا اپنے کو قبول اور قرب کے لائق ہرگز مت سمجھو! آخر تم کو حضرت حق سے مناسبت ہی کیا ہے جو تم اس کے قرب کے لائق ہو! وہ بالکل مبرا اور منزہ اور تم سراپا عیوب ونقصان پھر جب اتنا بعد ہے تو تم کسی حال میں قرب کے لائق نہیں ہوسکتے اور اگر وہ اپنا قرب عطا فرماویں یہ محض ان کی عنایت ورحمت اور فضل ہے۔

انکشاف عبدیت

اسی کو ایک مجذوب فرماتے ہیں خدا وہ ہے جو سمجھ میں نہ آئے اور سمجھ وہ ہے جو خدا کو پاوے، یہ مجذوب ایسے ہی آزاد ہوتے ہیں ان کے الفاظ ظاہر میں بے ربط ہوتے ہیں ان کے مطلب کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا اور چونکہ ہدایت کا کام ان کے سپرد نہیں ہوتا اس لیے ان کو اس کی پروا بھی نہیں ہوتی کہ ہماری بات کا مطلب کوئی سمجھا یا نہیں، مطلب ان مجذوب صاحب کا یہ ہے کہ خدا وہ ہے جس کی کنہ ذات (۱) تک کسی کی سمجھ نہیں پہنچ سکتی اس کی حقیقت کا ادراک کوئی نہیں کرسکتا۔ اس مضمون کو حدیث میں ان الفاظ سے کیا گیا ہے۔

ما عرفناك حق معرفتك لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك (۲) یا اللہ ہم نے آپ کو پوری طرح (جیسا کہ آپ کے شایاں شان ہے) نہیں پہچانا ہم آپ کی پوری طرح تعریف نہیں کرسکتے آپ ویسے ہی ہیں جیسے کہ آپ نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔ اسی لیے عارفین فرماتے ہیں کہ خدا کے متعلق جس قدر علم ہم کو

(۱) ذات کی حقیقت (۲) لم اجد الحدیث فی ''موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف۔

حاصل ہوتا ہے خدا اس سے بھی بالا و برتر ہے اس کو کسی کا علم احاطہ نہیں کرسکتا اور یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ جب ہم کو خدا تعالیٰ کا علم بھی کامل طور پر حاصل نہیں ہوسکتا تو ہم قرب خداوندی کے خود کیسے لائق ہوسکتے ہیں ہمارے میں اور خدا تعالیٰ میں بہت زیادہ بعد ہے۔ بس انسان کی بڑی معرفت اور منتہائے قرب یہ ہے کہ اس کو یہ بات منکشف ہوجائے کہ ہم خدا کے علم وادراک سے عاجز ہیں۔ یہ بات عقیدہ کے طور پر ہر شخص جانتا ہے مگر اس کا انکشاف ہر شخص کو نہیں ہوتا۔ جب عارفین کو حق تعالیٰ کی عظمت وجلال کا حسب قابلیت مشاہدہ ہوتا ہے اس وقت ان کو اپنا عجز اور ضعف اور اپنی عبدیت کا انکشاف ہوتا ہے اسی مطلب کو ان حضرت مجذوب صاحب نے ان لفظوں سے ظاہر کیا ہے کہ خدا وہ ہے جو سمجھ میں نہ آوے اور جو تمہاری سمجھ میں آجاوے وہ خدا نہیں۔ خدا اس سے پاک اور بالا و برتر ہے مگر باوجود عقل سے کام یہ لینا چاہیے کہ خدا کو معلوم کرے پس اس جملہ میں اور پہلے جملہ میں بظاہر تعارض ہے کیونکہ جب خدا تعالیٰ تک عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی تو پھر اس کے کیا معنی کہ سمجھ وہ ہے جو خدا کو پاوے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ سمجھ سے خدا کو پاسکتے ہیں۔ سو اس جملہ کا یہ مطلب ہے کہ سمجھ وہ ہے جو خدا کو پانے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ ہم کہا کرتے ہیں کہ چاند دیکھا تھا، اس کے دو معنی ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ چاند دیکھا تھا اور اس کو دیکھ بھی لیا۔ دوسرے یہ کہ چاند دیکھا تھا مگر نظر نہیں آیا۔ اس وقت چاند دیکھنے کے معنی یہ ہیں کہ دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ اسی طرح پانے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ پالیا، دوسرے یہ کہ پانے کی کوشش کی۔ پس مطلب مجذوب کا یہ ہے کہ سمجھ وہ ہے جو خدا کی طلب میں رہے اگرچہ اس کی ذات تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

صالحین پر مصائب

پس حدیث میں جو آتا ہے: اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا (۱) اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اپنی سعی کوشش کرتے رہو اگرچہ تم سے پورا حق ادا نہیں ہوسکتا اور یہ مسئلہ

(۱) سنن ابن ماجہ: ۲۷۷، مسند احمد: ۲۷۷، سنن الدارمی ۱: ۱۶۸، مشکوۃ المصابیح: ۲۹۲۔

عقلاً بالکل سچ ہے کیونکہ خدا کی عظمت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کمالات کا حق ادا کیا جاوے اور کمالات الٰہی غیر متناہی ہیں تو ہم سے ان کا حق کیونکر ادا ہوسکتا ہے؟ متناہی غیر متناہی (۱) کے حقوق کو کب ادا کرسکتا ہے؟ کیونکہ ہماری زندگی اگر ہزار سال کی بھی ہو تب بھی محدود ہے اگر ہزار سال تک کوئی شخص ہر دم عبادت کرتا رہے کسی وقت راحت وآرام میں مصروف نہ ہو جب بھی وہ ایک محدود زمانہ ہے جس میں غیر متناہی کمالات (۲) کے حقوق ادا نہیں ہوسکتے اور جس صورت سے ہم لوگ عبادت کرتے ہیں کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے تین چار گھنٹے عبادت میں اور باقی دنیوی مشاغل یا راحت وآرام میں صرف ہوتے ہیں اس صورت سے تو ہمارا کیا منہ ہے کہ ادائے حقوق الٰہی کا دعویٰ کریں۔ غرض جب حق تعالیٰ کے حقوق کا ادا ہونا محال ہے تو کوئی ولی چاہے کتنا ہی بڑا ولی ہو اس سے بھی اپنے درجہ کے موافق گناہ ہوتے ہیں اس لیے اگر نیک لوگوں پر بھی مصائب آئیں تو اشکال کیا ہے پس یہ مسئلہ کہ بیماری گناہوں سے آتی ہے یہ تو صاف تھا کیونکہ بار بار بیان ہوچکا ہے اور جن تین مضمونوں کا میں بیان کرنا چاہتا ہوں ان میں یہ ایک ہے اور اب میں دو مسئلے اور بیان کرتا ہوں جو کہ درحقیقت اسی تقریر کے متعلق شبہات کے جوابات ہیں اور وہ دوسرا تیسرا مضمون یہی ہے۔ ایک تو یہی شبہ ہے جو ابھی مذکور ہوا تھا کہ نیک لوگوں کو بیماری وغیرہ کیوں آتی ہے حالانکہ آیت سے اور بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری گناہوں سے آتی ہے اور اس کا جواب ابھی دے چکا ہوں۔

دفع مصائب

اور اس وقت اسی کے متعلق ذرا کسی قدر تفصیل کرنا چاہتا ہوں اور ایک دوسرا سوال ہے جو اس سے بھی سخت ہے اس کو میں بعد میں حل کروں گا تو پہلے شبہ کا جواب تو یہ ہے جو ابھی گزرا کہ گناہان سے بھی ہوتے ہیں، گناہوں سے خالی کوئی نہیں اور قاعدہ یہ

(۱) محدود غیر محدود کا حق کیسا ادا کرسکتا ہے (۲) اللہ کے کمالات کی کوئی حد نہیں۔

ہے کہ علاج بالضد ہوتا ہے[1] جب بیماری اور وباء اور تمام مصائب گناہوں کے سبب سے ہیں تو ان کا علاج بھی بس یہی ہے کہ آئندہ کے لیے تو گناہوں کو چھوڑ دو اور پہلے گناہوں کی توبہ واستغفار ومعافی حقوق وغیرہ سے تلافی کرو۔ مگر آج کل ہماری عجب حالت ہے کہ بجائے اپنی اصلاح کے اس بیماری اور مصیبت کو بھی ایک مشغلہ بنالیا ہے چنانچہ بعضے لوگ اموات گنتے پھرتے ہیں اور اس میں آپس میں جھگڑتے بھی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ آج دس اموات ہوئی ہیں دوسرا کہتا ہے کہ میاں کو خبر تو ہے ہی نہیں بارہ تو میں نے گنی ہیں اور بھی ایک دو ہوگئی ہوں گی کیونکہ فلانے کی حالت بھی خطرناک تھی، فلانے کا سانس چل رہا تھا۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہورہی ہے (فضول سوال)۔

---

(۱) اگر مرض گرمی کا ہے تو ٹھنڈی دواء دی جائے اگر ٹھنڈ سے بخار ہے تو گرم دوا سے علاج کرو۔

أخبار الجامعة

ماہ دسمبر 2022ء

❁ 30 نومبر: حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی مہتمم جامعہ ہٰذا نے حُرمتِ سُود سیمینار کراچی میں تلاوتِ قرآن کریم کے بعد مختصر تفسیر ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ خود بھی آگاہ ہوجاؤ اور دوسری قراءت میں آیت کی تفسیر یوں ہے کہ ''فَاٰذِنُوْا'' دوسروں کو بھی باخبر کردو کہ اگر تم سُود سے باز نہیں آؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔

لہٰذا آج کانفرنس میں تمام مکاتب فکر کی طرف سے متفقہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ حکومت اور متعلقہ حلقے جلد از جلد سودی نظام کے خاتمہ میں عملی کردار ادا کریں۔

پروگرام سے قبل جامعہ دارالعلوم کراچی میں حاضری دے کر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے سانحۂ ارتحال پر شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی (مدظلہ العالی) اور مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی ؒ کے صاحبزادہ مولانا ڈاکٹر مفتی زبیر اشرف عثمانی حفظہ اللہ تعالیٰ سے تعزیت کی اور بلندیٔ درجات کی دعا فرمائی۔

❁ 14 دسمبر: حضرت مہتمم صاحب (دامت برکاتہم) جامعہ دارالہدیٰ گوٹرہ اسٹیشن اسلام آباد (مفتی عبدالسلام عزیزی مدظلہ کی خصوصی دعوت پر آل پاکستان مسابقہ حفظ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صوبہ پنجاب کے صوبائی مرحلہ کے منتخب حفاظ کرام کے مابین مسابقہ کی نگرانی فرمائی اور اِس موقع پر گلگت وآزاد کشمیر سے منتخب طلباء کے مابین مسابقہ کے بعد قومی مسابقہ کے لیے منتخب اول، دوم، سوم پوزیشن ہولڈرز کو انعامات سے نوازا اور تقریب میں گلگت وکشمیر واسلام آباد، راولپنڈی کے ممتاز علماء

اور وفاق المدارس کے ذمہ داران سے ملاقاتیں فرمائیں۔

❁ 15 دسمبر: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے بزم حسّان پاکستان کے زیر اہتمام جامعہ ہٰذا میں منعقدہ مسابقہ حُسنِ قراءۃ وحمد ونعت میں پوزیشن ہولڈرز طلباء کو انعامات سے نوازا۔

❁ 17 دسمبر: جامعہ ہٰذا کی شاخ دارالفلاح مصطفیٰ ٹاؤن میں 9 طلباء کے قرآنِ کریم حفظ مکمل ہونے پر تقریبِ آمین میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے آخری سبق کہلوا کر طلباء واساتذہ ووالدین کو مبارکباد اور دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے۔

بعد نمازِ ظہر مولانا محمد اسعد فاضل جامعہ ہٰذا کی دعوتِ ولیمہ میں شرکت فرما کر مبارکباد اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔

❁ 19 دسمبر: وفاق المدارس کے زیر اہتمام آل پاکستان مسابقہ حفظ کے صوبائی مرحلہ جو 27 دسمبر کو جامعہ اشرفیہ میں منعقد ہوگا اِس سلسلہ میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں تیاری کے سلسلہ میں مشاورتی اجلاس میں شرکت فرما کر تمام امور کا جائزہ اور ذمہ داریاں ترتیب دیں۔

❁ وفاق المدارس کے زیر اہتمام آل پاکستان مسابقہ حفظ کے صوبائی مراحل جاری ہیں صوبہ پنجاب میں ابتدائی مرحلہ 83 طلباء کے مابین تین مقامات پر تقسیم ہے پہلا مقام 23 طلباء کے مابین 14 دسمبر اسلام آباد، دوسرا مقام 22 دسمبر 33 طلباء کے مابین جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور، تیسرا مقام 25 طلباء کے مابین 22 دسمبر ملتان ترتیب دیا گیا۔ان مسابقات میں مدارس کے مہتممین وکالجز، یونیورسٹیز ومیڈیا وسرکاری اہم شخصیات نے شرکت کی، تینوں مقامات کے 83 طلباء میں سے 10 پوزیشن ہولڈرز 27 دسمبر منگل جامعہ اشرفیہ لاہور حتمی صوبائی مسابقہ میں شرکت کے بعد تین پوزیشن ہولڈرز قومی مسابقے کے لیے منتخب ہوگئے جس کی تفصیل آئندہ شمارہ میں دی جائے گی۔

❁❁❁